لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

اس شمارے میں

جلد نمبر ۲ — شمارہ نمبر ۷ — ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ — اپریل ۱۹۶۷ء

زر سالانہ چھ روپے — فی پرچہ ۵۰ پیسے — غیر ممالک سالانہ ۱۲ شلنگ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر
دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہ قافلۂ اسلام منزل بہ منزل کو بہ کو عہدِ سعادت نبوت سے لیکر اب تک رواں دواں ہے، اسلام کی وہ نعمت جو حضور سرورِ کائنات صلوات اللہ علیہ نے اپنی امت کے سپرد کی۔ اسلاف نے اس امانت کو جان سے زیادہ عزیز سمجھ کر اسے سینے سے لگائے رکھا اور ہم تک پہنچایا۔ ہدایت و فلاح کا یہ کبریت احمر آج بھی اپنے اصلی خدوخال میں موجود ہے۔ اسلاف کو اس امانت کی حفاظت کے لئے کیا کچھ کرنا پڑا۔؟ یہ داستان کچھ عجیب و غریب ہے۔ ہماری تاریخ جو دعوت و عزیمت، جہاد و قربانی کی ایک داستان مسلسل ہے، اس سے بھری پڑی ہے۔ اربابِ اخلاص و وفا کو کبھی اس راہ میں آگ اور خون سے گزرنا پڑا تو کبھی طوفان کے تھپیڑوں اور بگولوں کا سامنا کرنا پڑا۔ جو اللہ تعالیٰ کی اس روشنی کو بجھانے کے لئے اٹھتے رہے۔ بارہا الحاد و زندقہ کی تاریکیوں نے دینِ متین کے رخِ زیبا کو چھپانے کی سعی کی۔ کفر اور گمراہی کے ظالم ہاتھوں نے خدا کی اس رسّی کو کاٹنا چاہا۔ مگر یہ اسلام کی سخت جانی تھی اور وعدۂ خداوندی حفاظتِ دین کا ظہور کہ ان ہی ظلمتوں میں روشنی کی کرن نمودار ہو جاتی۔ ظلمت اور اندھیرے چھٹ جاتے، اسلام کا آفتابِ منیر آج بھی چمک رہا ہے، نجات کا یہ راستہ اب بھی ایسا ہی صاف اور کھلا ہے۔ جیسا کہ اولین عہدِ سعادت میں رہا۔ المحجۃ البیضاء لیلہا کنہارہا۔

اس سرزمین (برصغیر پاک و ہند) میں اسلام اور مسلمانوں پر نازک سے نازک گھڑی دسویں صدی ہجری کے مغل تاجدار سلطان جلال الدین اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے عہد میں آئی۔ یہ پچاس سالہ "اکبری عہد" دین کی غربت اہل دین کی بےکسی اور شعائر اسلام کی تباہی اور بربادی کا عبرتناک زمانہ ہے۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے۔ اگر عہدِ اکبری کی اس داستان سرائی میں دین اور دینی اقدار کو مٹانے والوں کے لئے کچھ سبق ہے تو رجالِ دین کے لئے نصیحت اور تسلی کا سامان بھی، کہ رحمتِ خداوندی کا ظہور مایوسیوں کے حدِ کمال تک پہنچنے میں ہوتا ہے اور یہ کہ دینِ متین کو دبایا نہیں جا سکتا، نہ اسکی حفاظت توپ و تفنگ، ہمہ گیر تحریکات منظم پروگرام اور جماعتوں کی رہینِ منت ہے — آج کی فرصت میں ہم اکبر کے "دینِ الٰہی"

کا اجمالی خاکہ پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے اکبر کے خدوخال پر کچھ روشنی پڑ سکے اور اسلام کے بارہ میں ان لوگوں کے عزائم باطنی کا بھی اندازہ لگایا جا سکے جو اس وقت مغل امپائر کے اس "طاغوت اکبر" کا نام بطور آئیڈیل پیش کرتے ہیں اور کہا جا رہا ہے کہ :

"اکبر بادشاہ اور اس کے عہد کے علماء کے درمیان مناقشات رونما ہونے کی بنیادی وجہ مذہبی جذبات کی بناء پر علماء کا اپنے آپ کو طاقت ور بنانا تھا، جو مذہب کی آڑ لے کر ہر معاملے میں اس لئے دخل دینا چاہتے تھے کہ ان کا رسوخ بڑھ سکے، حکومت ان سے مرعوب ہو اور وہ حقیقی معنوں میں پشت پناہ تخت بن جائیں۔ علماء کے اس "ہوس اقتدار" کی تائید میں خود اکبر کا یہ قول بھی پیش کیا جا رہا ہے کہ علماء می خواہند کہ فرمانروائی و کارگزاری شریک بادشاہی باشند (علماء چاہتے ہیں کہ فرمانروائی اور حکومت میں ہمارے شریک ہو جائیں ___ (فکر و نظر ص ۴۶۳ از مجلہ سہ ماہی اردو کراچی)

گویا کھلے بندوں اکبر کو حق بجانب قرار دیکر اہل حق کی ان سرفروشیوں اور قربانیوں کا مذاق اڑایا جا رہا ہے، جس کا مظاہرہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقیؒ اور ان کے ہمنوا علماء حق نے احیائے دین اور اسلام کے نشأۃ ثانیہ کے لئے کیا۔ عہد اکبری کی اس سیاہ تصویر سے ان لوگوں کے نظریات و عزائم کا بانڈا بھی پھوٹ جائیگا کہ یہ لوگ کبھی اکبر اور کبھی مصطفیٰ کمال کا نام لے کر یہاں کس قسم کے اسلام کو زندہ کرنے کے آرزومند ہیں۔ وہ کیا حالات تھے جس نے علماء حق اور اہل حق کو تڑپا کر انہیں اکبر اور اس کے لادینی نظریات کے مقابلہ میں لاکھڑا کیا۔؟ کیا دعوت و عزیمت تجدید و احیائے دین کے میدان میں ان کی سرفروشی اور جان نثاری اللہ تعالیٰ کی "سنت ماضیہ" اور "عادت جاریہ" کا ظہور تھا یا اقتدار کی ہوس۔؟ عہد اکبری کی یہ سیاہ تصویر تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ ہم نے اپنے مضمون میں عہد اکبری کے ایک نہایت ثقہ دیندار عالم بے لاگ اور مستند مورخ ملا عبدالقادر بدایونی (م ۱۰۰۴ھ) کی ان چشم دید معلومات کو بنیاد بنایا ہے۔ جو انہوں نے "حلفیہ شہادت" کے بعد اپنی کتاب منتخب التواریخ میں جمع کر دئے ہیں۔ جسے ہمارے زمانہ کے ایک مایہ ناز محقق عالم مولانا مناظر احسن گیلانی مرحومؒ نے مذکورہ کتاب کے چار سو صفحات سے تلاش کر کے اپنے مقالہ "الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ" میں سمیٹ دیا ہے۔ منتخب التواریخ کے حوالوں کے بارہ میں ہمارا اعتماد مولانا مرحومؒ کے مضمون پر ہے۔ منتخب کے علاوہ عہد اکبری کے یہ سیاہ نقوش، دبستان مذاہب اور خود اکبر کے فرزند جہانگیر کی تزک جہانگیری میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور حضرت مجدد الف ثانی جیسے معتمد ثقہ، امین امام جلیل کے مکتوبات سے بھی انکی تائید ہوتی ہے۔

آئندہ تفصیل سے معلوم ہوگا کہ ایک سوچے سمجھے پروگرام اور تدریجی رفتار سے اکبری دین کو اس کے مقام ارتقاء تک پہنچایا گیا۔ اجتہاد، امامت و تشریع اور قانون سازی کے مناصب سے گزرتے ہوئے بالآخر اکبر اس مقام تک پہنچا۔

منصب اجتہاد سب سے پہلے اکبر نے "منصب اجتہاد" کو سرفرازی بخشی۔ ملا مبارک ناگوری اور ان کے دونوں بیٹوں ابوالفضل اور فیضی نے ایک محضر نامہ مرتب کیا جس میں اکبر کو اجتہاد اور دینی مسائل میں بنی آدم کی معاشی اور دنیوی سہولتوں کے مدنظر کسی ایک پہلو کو ترجیح اور دوسرے کو ساقط کرنے کا حق دیا گیا اور یہ کہ عوام پر ان "فیصلوں" اور "احکام" کی پابندی لازمی اور اس کی مخالفت دنیوی اور دینی بربادی کا موجب ہوگی۔ اس محضر نامہ میں بادشاہ کو گویا "مرکز ملت" قرار دیتے ہوئے کہا گیا تھا کہ خدا کے نزدیک سلطان کا درجہ مجتہد کے درجہ سے زیادہ ہے۔ (ملاحظہ ہو پورا محضر نامہ۔ منتخب التواریخ ص ۲۷۲)

سلف کی بے حرمتی اکبر "منصب اجتہاد" پر فائز ہونے کے بعد ائمہ سلف اور مجتہدین امت کی برسرعام توہین و تحقیر کی جانے لگی۔ ان پر "فقیہ کور" "خشک ملاّ" اور رفتار زمانہ سے آنکھیں بند کرنے والے جامد اور متعصب کی پھبتیاں کسی جانے لگیں۔ "دربار اکبری" کا مایۂ ناز "محقق" ابوالفضل فقہاء کرام اور مجتہدین امت کے فیصلے یہ کہہ کر ٹھکرا دیتا کہ فلاں حلوائی، کفش دوز اور فلاں چمڑہ فروش کی باتیں کیسے مانوں۔ (منتخب ص ۲۰۰)

صحابہؓ کی بے وقعتی سلف کی بے حرمتی اور گستاخیوں کی اس جرأت نے بڑھتے بڑھتے سب سے افضل اور مقدس ترین جماعت صحابہ کرامؓ (جن پر سارے دین کی عمارت کھڑی ہے) کو بھی آگھیرا۔ انکی عظمت و حرمت دلوں سے نکالی جانے لگی۔ خاص طور سے خلفاء ثلاثہ (ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم) کی شان میں ایسی ایسی باتیں نکلنے لگیں جن کو زبان پہ نہیں لایا جا سکتا۔ (منتخب التواریخ)

شان رسالت پر دست درازی اب خاکم بدہن شان رسالت (علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات) کی باری تھی۔ حریم قدس نبوت پر دست اندازی سے پہلے ضروری تھا کہ ان کے لائے ہوئے دینی احکام و تعلیمات اور اسلام کے اساسی ارکان و عبادات تک کو رفتار زمانہ سے بے جوڑ، نامناسب اور فرسودہ قرار دیا جائے اور اس طرح بالواسطہ "اسلامی تعلیمات و شعائر" سے کٹ کر امت مسلمہ کا جوڑ اس کے لائے ہوئے پیغمبرؐ سے بھی کٹ جائے۔

چنانچہ صحابہ کرامؓ، ائمہ دین اور سلف صالحین کی اتباع اور تقلید کو روایت پرستی، شخصیت پروری اور قدامت پسندی قرار دینے کے بعد اسلام کے سارے اثاثہ پر یہ کہہ کر ہاتھ صاف کرایا گیا کہ العیاذ باللہ ملت اسلامی کا سارا سرمایہ حادث اور نامعقول ہے۔ اس کے بنانے والے چند مفلس بدو تھے جو معاذ اللہ

سب کے سب مفسد، ڈاکو، لُٹ مار تھے"۔ ارکانِ اسلام کا یہ حال کہ روزہ، حج، زکوٰۃ، جبراً ساقط کئے گئے ص۲۱۵ کسی کی مجال نہ تھی کہ اکبر کے دربار میں علانیہ نماز پڑھ سکے ص۲۱۵

روشن خیالی کے نام پر دین سے مذاق | اس طرح دین اور دین کے تمام شعائر کو "تقلیدات" کہا جانے لگا ص۲۱۱ یعنی غیر معقول باتیں "روایت پسندی" اور "دقیانوسیت" ایک شور برپا کیا گیا کہ مدار دین عقل پر ہے نہ کہ نقل پر ص۲۱۱ اگر کسی مسئلہ میں اس کی دینی اور شرعی حیثیت پیش کر دی جاتی تو الف ثانی کا یہ "محرف اعظم" یہ کہہ کر جھڑک دیتا کہ —— یہ ملاؤں کی باتیں ہیں مجھ سے تو ان چیزوں کا دریافت کرو جن کا تعلق عقل و حکمت سے ہو ص۲۰۸

تمام دینی سرمایہ اور اسلامی اثاثہ کے بارہ میں مجموعی طور پر بد اعتمادی اور بدظنی پیدا کرنے کے بعد ایک ایک کر کے اسلام کے ان تمام اصول و فروع پر "تیشۂ تحقیق" چلایا جانے لگا جس پر خدائی دین "اسلام" کی ساری عمارت استوار تھی۔ بقول ملا عبدالقادر بدایونیؒ —— ارکانِ دین کے ہر رکن اور اسلامی عقائد کے ہر عقیدہ کے متعلق خواہ ان کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے مثلاً نبوت، مسئلہ کلام، رویت باری تعالیٰ، انسان کا مکلف ہونا، تکوینِ عالم حشر و نشر وغیرہ کے تمسخر اور استہزاء ہونے لگا۔ ص۳۰۷ —— پورے دربار میں اسلامی معتقدات کو مشقِ سخن بنا کر ایک ایک مسئلہ اور شعار کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کئے جاتے۔ دوسرے مذاہب کا ہر وہ حکم جس سے اسلام کا توڑ ہوتا ہے نص قاطع، قطعی دلیل، اور اسلام کی تمام باتوں کو مہمل نامعقول، نو پید اعرب کے مفلسوں کی گھڑی چیزیں خیال کیا جاتا ص۲۵۹

نبوت اور اخبارِ غیب سے انکار | مصدرِ شریعت اور سرچشمۂ اسلام نبوت کبریٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی عظمت اور وقار کو مجروح کرنے کی یہ مذموم کوششیں بڑھتی رہیں اور بالآخر اجتہاد و امامت کا یہ دعویدار صاحب نبوت کی غلامی اور اس کی تشریعی حیثیت ماننے سے بھی منکر ہوا اور بادشاہ نے وحی کے محال ہونے پر اصرار شروع کیا۔ غیب اور عالمِ غیب کے بارے میں حضور رسالتمآب علیہ السلام کے اخبار کو جھٹلا کر جنّ، فرشتے، معجزات، تواترِ قرآن اور اس کے کلامِ خداوندی ہونے، البعث بعد الموت، حساب کتاب، ثواب و عذاب کا کھلے بندوں انکار کرنے لگا ص۲۷۳ ——

معجزات سے استہزاء | معجزاتِ نبوت سے نہ صرف انکار بلکہ بادشاہ کی جہالت اور شوریدہ سری کی انتہا تھی کہ بھرے دربار میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر معراجِ رسولؐ کی ہنسی اڑانے لگتا اور کہتا کہ جب میں دوسری ٹانگ اٹھا کر کھڑا نہیں ہو سکتا تو راتوں رات ایک شخص کیسے آسمانوں سے اوپر پہنچ گیا، خدا سے باتیں کیں اور جب واپس ہوا تب بھی ان کا بستر گرم تھا —— ہنسی مذاق کا یہی حال شق القمر اور دیگر معجزات کے بارہ میں بھی تھا۔ ص۳۱۷

اس گستاخ نے اس پر اکتفا نہ کیا، بلکہ مسلمانوں کا تعلق ان کے مرکز حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے توڑنے کی خاطر اس نے درباریوں کے وہ نام تک بدل ڈالے جس میں احمد، محمد اور مصطفیٰ شامل ہوتا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ یہ نام اس پر شاق گزرنے لگے تھے۔ جلد ۲ ص ۲۱۵ ـــــ یہاں تک کہ غیرت وحمیت سے عاری اس "مغل اعظم" کے دربار میں عیسائی مشنری کے پادریوں نے برسرعام شانِ رسالت میں وہ بیہودہ کلمات استعمال کئے جن کے سننے پر جگر شق ہو جائے۔ مگر اکبر نے ان کی ہر طرح حوصلہ افزائی کی، اعزاز واکرام سے نوازا اور اپنے ایک شہزادہ کو حکم دیا کہ تبرکاً ان سے چند اسباق پڑھ لو ص ۲۶۹

اکبر منصب رسالت پر (معاذ اللہ) اپنے زعم باطل میں دین محمدی کی تخریب، شعائر اسلامی کے اضمحلال اور رسالت وعہدِ رسالت سے مسلمانوں کا تعلق کمزور کرنے کے بعد اکبر کے لئے ضروری تھا، کہ تشریع اور قانون سازی کا منصب اب خود سنبھال لے اور "پرانے دین" کے اس ملبہ پر جو اس کے خیال میں اپنی عمر کے ہزار سال پورے کر چکا تھا، ایک نئے دین، جدید ملت اور ترقی یافتہ نظام کی عمارت اٹھائے کہ تخریب کے بعد تعمیر کے راستے کھلے تھے، امامت تو کیا نبوت اور الوہیت تک (معاذ اللہ) اس کی رسائی ہو چکی تھی، اور کون تھا جو اسے روک سکے۔ بقول مورخین اس خیال سے اس نے اپنے دین کو "الٰہی مذہب" کا نام دیا۔ اور دعویٰ نبوت نہ کرتے ہوئے بھی منصب رسالت، تشریع وتبدیل، نسخ احکام وغیرہ کا کام اپنے ہاتھ میں لیا ـــــ اب پورے طور پر وہ "دین الٰہی" کی تدوین اپنے خود ساختہ قوانین کی ترویج اور اسلامی احکام شعائر کی بربادی وبیخ کنی میں لگ گیا ـــــ اعمال وفروع تو کیا عقائد واصول تک نئے رائج کر دئے اور اس طرح باقاعدہ ایک جدید ملت اور سائنٹیفک مذہب کی بنیاد رکھی گئی۔ مگر دین الٰہی کی "تدوین وتنقیح" کا کام اکیلے اکبر کے بس میں کہاں تھا کہ وہ بے چارا تھا۔ بہرحال ایک جاہل اور ان پڑھ دین کے مبادی تک سے بےخبر زمانہ کے روشن خیال "محققین" نے اسے بام پر چڑھایا اور اقتدار ونخوت کے پندار میں اکبر اس مقام "انا ولا غیری" پر براجمان ہوئے ـــــ

تحقیقاتی ادارے عقائد واحکام فروع واصول اور دین کے ہر ہر شعبہ میں نئے نئے اجتہادات وتحقیقات کیلئے باقاعدہ ادارے کھولے، تحقیقی مجالس قائم کیں۔ اور بیسویں صدی کی اصطلاح "اسلامی تحقیق" "اسلام کا آزاد مطالعہ" سائنٹیفک ریسرچ کیلئے قانون ساز اداروں کی تشکیل کی گئی۔ باہمی بحث وتمحیص کے لئے کونسلیں قائم ہوئیں۔ دیگر مذاہب کے ثقافتی لٹریچر کے ترجمہ کے لئے دفتر کھولا گیا ـــــ ملا مبارک اور اس کے شہرۂ آفاق بیٹے ابو الفضل اور فیضی ان تحقیقاتی امور کے ڈائرکٹر اور خود "اکبر دی گریٹ" کی ذات اس تشریع وتجدید کی آخری اتھارٹی اور قوت نافذہ تھی ـــــ اکبری دربار کے اس ثقہ اور چشم دید راوی ملا عبد القادر بدایونی نے تو اکبر کی اس اسلامک ایڈوائزری کونسل کے ارکان کی

تعداد تک لکھا ہی ہے :

(بادشاہ) حکم کردند کہ از مقربان چہل کس بعدد چہل تن بنشینید وہر کس ہر چہ داند بگوید وہرچہ خواہد پرسد۔ ص۲۰۲ — بادشاہ نے حکم دیا کہ مقربین میں سے چالیس آدمی یکجا بیٹھا کریں اور ہر شخص جو کچھ جانتا ہو اس کا اظہار کرے اور ہر قسم کے سوالات کرنا چاہے کرے۔

اس کمیٹی میں اسلامی عقائد اور مسلمات کے متعلق عقل (سائنس) کی روشنی میں فیصلہ کیا جاتا، طرح طرح کے شبہات ہنسی مذاق کی شکل میں کئے جاتے اور اگر کوئی ممبر اختلافی نوٹ پیش کرتا تو اسے روک دیا جاتا ص۲۰۷ اس تحقیقاتی ٹکسال میں ابوالفضل کے کئی شاگرد اور سکالر بھی تجدید دین کے کام میں شریک تھے۔ اور بقول منتخب التواریخ صرف ایک شاگرد نے اسلامی عبادات کے متعلق اعتراض اور مسخرگی کے پیرایہ میں کئی رسالے تصنیف کئے اور جس نے شاہی بارگاہ میں بڑی مقبولیت پائی ص۲۵۱ ان روشن خیال اور آزاد ریسرچ کے شہسواروں کے ایک گروہ کو حکم دیا گیا کہ "تاریخ الفی" کے نام سے اسلام کے ہزار سالہ دور کی ایک تاریخ مرتب کی جائے جو دوسری تمام تواریخ کی ناسخ ہو اور جس میں سن ہجری کی بجائے سن رحلت کو بنیاد بنایا گیا ہو۔ ص۳۰۶

اس کا مقصد بظاہر آج کل کی اصطلاح میں یہ تھا کہ اسلامی تاریخ پر عجمی اثرات، دینی تعصب و تصلب اور فقہی جمود کے جو بادل چھا گئے ہیں، ان آمیزشوں سے اسلامی تاریخ صاف ہو جائے کہ صرف تاریخ پہ کیا منحصر پورا اسلامی نظام اور دینی سرمایہ ان کے نزدیک تحریف و تلبیس کا شکار ہو کر ناقابل اعتماد ٹھہر گیا تھا۔ ابوالفضل اور فیضی کے والد ملا مبارک ناگوری بادشاہ کے سامنے ہندوؤں کو کہتا پھرتا کہ تمہارے دین کی طرح ہمارے دین میں بھی تحریف ہوئی ہے ص۲۱۱ گویا عجمی سازش قدامت، اور توہم پرستی نے اس پورے اثاثہ کو ناقابل عمل اور غیر معتمد بنا دیا ہے۔ اسلام کے مقابلہ میں دیگر مذاہب اور بے ہودہ رسوم روایات کی جن جن طریقوں سے حوصلہ افزائی کی گئی، اُن سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہ تمام رواداری اور وسیع الخیالی صرف ان نظریات، مذاہب اور خیالات سے تھی جن سے اسلام کے کسی حکم کا توڑ ہوتا۔ ص۲۵۶

اکبر کی رواداری کا نتیجہ | بخلاف اسلامی ملت کے کہ اکبر کے خیال میں اس "غریب دین" کی ساری باتیں مہمل نامعقول، نو پیدا اور عرب مفلسوں کی گھڑی ہوئی تھیں۔ یہ "روادار اکبر" جس کو اپنے اعتقاد اور عزائم پہ پورا نہ پاتے وہ واجب القتل اور راندہ درگاہ ہو جاتا اور اسے فقیہ (ملا) کا نام رکھ دیا جاتا ص۲۲۹ اسلام کے مقابلہ میں دیگر مذاہب سے "رواداری" (جو ہمیشہ سے الحاد اور گمراہی کا مبداء اور سرچشمہ ہوتا ہے) "مساوات ادیان" اور آزادی رائے کا ثمرہ یہ نکلا کہ اکبر نے فرنگیوں کی عیسائی مشنریوں کو حکم دیا کہ بھرے

دربار میں انجیل اور عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث اور نصرانیت کو بدلائل بیان کریں اور ابوالفضل کو حکم دیا گیا کہ ان پادریوں کی مدد سے انجیل کا ترجمہ کر دیا جائے ص۳۰۸ فرنگیوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور بعض عقلی اعتقادات بادشاہ نے ان سے حاصل کئے ص۳۱۲ اور یہ بھی عقل و دانش اور رواداری کے نام سے یورپ سے درآمد شدہ لعنت کی پہلی کھیپ جس کے نتیجہ میں مملکت کو صدیوں غلام رہنا پڑا، یہی "دانشِ افرنگ" ہے، جو آج مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا اور نازک ترین مسئلہ بنا ہوا ہے۔

——— جشنِ نوروز میں فرنگی بھی شریک ہوتے جو پیانو اور ہارمونیم بجا بجا کر اپنے ثقافت اور کلچر کا مظاہرہ کرتے اور اکبری داد و ستد کے مستحق ہوتے۔ (ملاحظہ ہو تذکرہ مجددؒ)

اس رواداری کے مظاہرے دنیا کے دیگر فرسودہ مذاہب سے بھی کئے گئے ——— آتش پرستوں نے اکبر زرتشتی دین کی حقیقت بیان کی ص۳۰۸ ——— پھر دیر کیا لگتی، اس وسیع الظرف روشن خیال بادشاہ نے ان کی دلجوئی کیلئے شاہی محل میں دن رات آگ روشن رکھنے کا حکم دیا ص۳۰۸

ہندوؤں اور ان کے مذہب اور غیر فطری رسم و رواج کے ساتھ اکبر نے جس رواداری کا معاملہ کیا وہ تو ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ آخر گردن سے اسلام کا "ربقہ" اتارنے کا یہ سارا ڈھونگ جب ان کی دلجوئی کی خاطر رچایا گیا تھا تو ظاہر ہے کہ ہندومت کے ساتھ اکبر کی فراخ حوصلگیوں کا کیا عالم ہوگا! ہندوؤں کے تہوار پر قشقہ لگانا، برہمنوں کے ہاتھ تبرکاً ڈوری بندھوانا، بھجن پڑھنا اور پڑھوانا یہاں تک کہ اپنی والدہ کی وفات پر سارا سوگ ہندوؤں کی رسم "کریا" پر منایا گیا۔ سر، ڈاڑھی، مونچھیں منڈوا کر ماتمی لباس پہنا اور بادشاہ کی تقلید میں ہزاروں لوگ ان رسوماتِ غم میں شریک ہوئے۔ (شاندار ماضی ص۱۰۹ بحوالہ تزک جہانگیری) غیروں سے یہ "دریا دلی" اکبر کیلئے ایک عام بات تھی، خواہ اسے آپ اکبر کی الحادی ذہنیت کا نتیجہ قرار دیں یا "سیاست" و "مصلحت" کا خوشنما نام دیں۔

اکبر کا ماڈرن اسلام | غرض اکبر کی یہ "رواداریاں" اور اسلام و دیگر مذاہب کا آزاد سائنٹفک مطالعہ اور روشن خیالوں کی شبانہ روز بے رحم اور بے لاگ ریسرچ کے نتیجہ میں سرزمین ہند پر ایک نئے ماڈرن اسلام اور "ملتِ جدیدہ" کا ظہور ہوا جس نے عقائد و اخلاق، سیاست و معاشرت، تہذیب و تمدن، احکام و مسائل غرض "قدیم اسلام" کے ایک ایک شعبہ جزئی سے جزئی مسئلہ اور حکم میں وہ وہ جدت طرازیاں کیں کہ الامان والحفیظ ہندوستان کے اس "فتنۂ کبراہی" نے بزعم خود ملتِ مسلمہ کی چولیں ہلا ڈالیں اور جس کی ترویج کے لئے قوت و سطوت دولت اور خزانوں کے تمام دروازے چوپٹ کھول دیئے گئے تھے ———

اس دین میں داخل ہوتے وقت جو کلمۂ شہادت پڑھا جاتا مورخین کی زبانی وہ "لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ" ہوتا

اور نہ صرف مریدوں بلکہ عام رعایا کو بھی اس "ایمان وشہادۃ" کا مکلّف ٹھہرایا جاتا ص۲۷۳ یہ نو مذہب ان الفاظ سے حلف وفاداری اٹھاتے " میں دلی شوق سے روایتی دین اور باپ دادوں کے تقلیدی مذہب کو چھوڑ کر اکبر شاہی دین میں داخل ہوتا ہوں ص۱۱ اور اس طرح یہ روشن خیال یا ابن الوقت "فرسودہ روایات" کے خول کو توڑ کر آزاد فضا اور نئی روشنی میں آجاتے اور دین وملت کی متاع عزیز اکبر کے قدموں پر نثار کر کے دربارِ ہمایونی سے شجرہ کے نام سے ایک "تمغہ" حاصل کر لیتے۔ ع

دینے فروختند وچہ ارزاں فروختند

یہ تمغۂ مقبولیت بھی بقول مولانا گیلانی " حامیانِ تجدّد کیلئے باعثِ رشک ہے"۔ بادشاہ کی ایک تصویر ان وفاشعاروں کو دی جاتی جسے وہ ایک مرصّع جواہر نگار غلاف میں رکھ کر اپنی دستاروں پر لگائے رکھتے ص۳۴۱ (کیا مغرب کی تصویر پرست تہذیب کو بیسویں صدی میں بھی یہ جدّت سوجھی ہے، ابھی بات تصویر کی نقاب کشائی اور نمائشوں تک محدود ہے۔) —— بادشاہ سلامت ہر صبح ایک جھروکہ سے درشن کراتے، پردہ سے نکلتے ہی ہزاروں لوگ اپنے اس "معبود" اور "الہ اکبر" کے سامنے سربسجود ہو جاتے ص۳۲۶ اس تہذیب جدید میں باہمی ملاقات کے وقت "السلام علیکم" کی بجائے "اللہ اکبر" اور "جل جلالہ" کا تبادلہ ہوتا ص۳۵۶

اکبر کی افتادِ طبیعت اور اکبر کے "دین الٰہی" پر اس طائرانہ اور اصولی نگاہ ڈالنے کے بعد ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ "دینِ اکبری" کے بعض معتقدات، معاشرتی اور اخلاقی میدان میں اس کی روشن خیالیوں اور شرعی احکام و فروع میں اس کی دست اندازیوں کی ایک ہلکی سی جھلک بھی پیش کر دیں۔ شاید دین کے اضمحلال اور اندراس کے اس آئینہ میں جھانک کر تاریخ سے عبرت لینے والے کچھ عبرت حاصل کر سکیں۔ انّ فی ذلک لذکری لمن کان لہٗ قلبٌ او القی السمع وھو شہید کہ بیشک اس میں ایک نصیحت ہے سننے اور سمجھنے والوں کے لئے۔ ع تو خود حدیث مفصّل بخواں ازیں مجمل۔

اکبری عقائد | اکبر کی نگاہ میں الوہیت اور نبوت کا جو مقام تھا اُس کا اندازہ تو لگ چکا وہ نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو خدائی منصب اور مقامِ نبوت پر فائز سمجھنے لگا۔ بلکہ اپنی عبادت کروانے کے ساتھ ساتھ تمام مظاہر فطرت آگ، پانی، درخت حتیٰ کہ گائے اور گائے کے گوبر تک کو پوجنے لگا۔ ص۲۶۱ آفتاب کی عبادت لازمی طور پر دن میں چار مرتبہ کرتا۔ ص۱۱ آفتاب کے ایک ہزار ایک ناموں کا وظیفہ پڑھتا ص۳۲۲ طلوعِ آفتاب کے وقت نقارہ بجایا جاتا ص۱۱ اور یہ فرمان جاری کیا کہ آفتاب کا ذکر آنے پر جلّت قدرتہٗ (اسکی قدرت بہت بڑی ہے) کہا جائے۔ نہ صرف یہ کہ آفتاب کی عبادت ہونے لگی بلکہ کائنات کی ربوبیت

میں بھی اسے شریک ٹھہرایا گیا ص۲۶۱ کواکب پرستی بھی کی جانے لگی، اور یہاں تک کہ (معاذ اللہ) سورج کو خدا کا مظہر قرار دیا گیا کہ وہ اس میں حلول ہو چکا ہے۔ ص۲۶۱ معاد، حشر نشر، بعث بعد الموت سے انکار کر کے ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ پر ایمان لایا ص۲۵۸ اپنے مقربین پر لازم قرار دیا کہ شمع اور چراغ روشن ہونے کے وقت کھڑے ہو کر تعظیم بجالایا کریں ص۳۱۲ آتش پرستی کے لئے ایک الگ آتش کدہ تازہ رہتا آگ کو خدا کی نشانی اور نور قرار دیا گیا ص۔

یہ اُس مذہب کے اعتقادات اور اس تحقیق علم الکلام والعقائد کے چند "شہ پارے" ہیں جنہیں "برعکس نہند نام زنگی کافور" "توحید الٰہی" کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔ اجتہاد اور روشن خیالی کے اس کھیل سے اخلاق و کردار، معاشرۃ اور تمدن کے میدان میں وہ گل کھلے کہ عقل و دانش اور دیانت و شرافت کی دنیا سر پیٹ کر رہ گئی۔ "مشتے نمونہ از خروارے" جسکی چند مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

سود اور جوئے کی حلت | سود اور جوا حلال قرار دیا گیا۔ شاہی خزانہ سے سودی قرضہ دیا جانے لگا قمار کیلئے شاہی دربار میں ایک الگ جوا گھر (ریس کورس) قائم کیا گیا۔ ص۲۲۷

شراب حلال ہے | دربارِ اکبری سے فتویٰ جاری کیا گیا کہ طبی طور پر بدن کی اصلاح و تقویت کیلئے شراب حلال ہے۔ البتہ پی کر سڑکوں پر غل غپاڑہ کرنا اور دھنگا فساد ممنوع ہے ص۲۲۷

محکمہ آبکاری | ایک عورت کی نگرانی میں شراب فروشی کی ایک دوکان دربار کے سایہ میں قائم کی گئی۔ نرخ وغیرہ خود حکومت مقرر کرتی ص—

جام صحت | تقریبات اور مجالس میں جام پر جام لنڈھائے جاتے، شراب سے ایک دوسرے کے جام صحت تجویز ہوتے۔ دربارِ اکبری میں تجدد اور روشن خیالی کے ایک ممتاز لیڈر فیضی ایک جام "ملاؤں" کے تعصب اور جمود کے نام پر تجویز کرتے ص—

شیو | اس ترقی یافتہ مذہب میں شراب کے بعد زیادہ زور ڈاڑھی منڈھوانے پر دیا جاتا اور شیو کے بارہ میں عقلی و نقلی دلائل کا طومار باندھا جاتا۔

غسل جنابت منسوخ | دین جدید کا ایک مسئلہ یہ تھا کہ جنابت واجب نہیں کہ منی سے نیک لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ ہم بستری سے پہلے غسل کیا جائے۔ (تذکرہ مجدد الف ثانی ص۶۲)

عائلی قوانین کی اصلاح | نکاح و طلاق کے متعلق بھی مسلمانوں کے پرسنل لا میں رد و بدل کیا گیا۔ — نئے "عائلی قوانین" کی بعض دفعات یہ تھیں:-

۱۔ چچازاد اور ماموں زاد بہن سے نکاح حرام ہے، کہ میل کم شود (یہ اجنبی تہذیب ہندوؤں کا اثر تھا

کہ بیگانوں کو اعتراض کا موقعہ نہ ملے ۔ ۲۔ سولہ سال سے پہلے لڑکوں اور چودہ سال سے پہلے لڑکیوں کا نکاح ممنوع قرار دیا گیا اور وجہ یہ بھی کہ فرزند ضعیف مے شود ۔ گویا جو چیز بعد میں "ساردا ایکٹ" کے نام سے مشہور ہوئی وہ دراصل "مغل اعظم ایکٹ" کہلانے کی مستحق تھی ۔ ۳۔ یہ کہہ کر کہ "خدا یکے و زن یکے" ایک سے زائد شادیوں پر پابندی لگا دی گئی ۔ گویا اسلامی دنیا میں مسئلہ تعدد ازدواج کا جو غلغلہ ہے ۔ اس کا کریڈٹ بھی اکبر اعظم ہی کو حاصل ہے ـــــ عائلی آرڈیننس کی مزید بعض دفعات یہ تھیں : ۴۔ آئسہ عورت (جسکی ماہواری بند ہو) نکاح نہیں کر سکے گی ۔ ۵۔ مرد سے بارہ سال بڑی عورت سے ہم بستری ممنوع ہوگی ۔ ۶۔ شادی سے پہلے لڑکے اور لڑکی کو گاؤں کے "کوتوال" کے سامنے پیش ہونا ضروری تھا کہ وہ عمر وغیرہ کی تصدیق کرکے باقاعدہ اجازت نامہ دے اور رجسٹریشن ہو سکے ۔ ۷۔ کوئی ہندو عورت اگر مسلمان ہو کر کسی مسلمان سے شادی کرے تو اسے جبراً گھر والوں کے سپرد کر دیا جائے گا ۔ (منتخب التواریخ)

بے پردگی | پردہ ممنوع قرار دیا گیا ۔ فرمان شاہی تھا کہ باہر نکلتے وقت عورتیں چہرہ کھلا رکھیں اور اگر برقعہ ہو تو چہرہ کھول دیا کریں ص ۳۹۱

زنا اور فحاشی کی ترویج | ایک طرف دوسری شادی پر پابندی عائد کی گئی ۔ دوسری طرف بغیر نکاح کے زنا کی کھلم کھلا اجازت دی گئی ۔ "متعہ" رائج کر دیا گیا اور بقول منتخب التواریخ شہر سے باہر "شیطان پورہ" کے نام سے ایک مستقل آبادی بنائی گئی جہاں باقاعدہ محافظ، پولیس، اور داروغہ ہوتا جس کا جی چاہتا آکہ باہمی رضا و رغبت سے جو چاہتا کرتا اور جسے چاہتا ساتھ لے جاتا ص ۳۹۱ گویا یہ زنا بالرضا کا ایک "مخلوط کلب" ہوتا جہاں سے داشتائیں دستیاب ہوتیں ۔ گرل فرینڈز کی ایک دنیا آباد ہوتی ـــــ نئی تہذیب کی تاریکیاں جنہیں اپنی جدت پر ناز ہے ـــــ کیا صدیوں کی جمی ہوئی یہ تاریکی پھر بھی روشنی کہلانے کی مستحق ہے ۔؟ تاریکی بہر حال تاریکی ہے ۔ بیسویں صدی کی ہو یا عہد اکبری کی ۔ ما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ ۔

دیگر اصلاحات | میت کے گلے سے خام غلہ یا پکی اینٹیں بندھوا کر اسے پانی میں بہا دیا جاتا ۔ پانی نہ ہوتا تو جلا دیا جاتا یا پھر کسی درخت سے اسے باندھ دیا جاتا ص ۳۷۲ اگر تدفین ہوتی تو حکم تھا کہ قبر ایسی بنائی جائے کہ مردہ کے پاؤں مغرب کی جانب اور سر مشرق کی طرف ہو ۔ ص ۳۵۶ یہ دیدہ و دانستہ قبلہ کی توہین اور مسلمانوں کے دلوں سے کعبہ حجاز کی عظمت نکالنے کی ایک صورت تھی ۔ چنانچہ اس نے خود اپنی خوابگاہ بھی اس طرح بنائی تھی ۔

ختنہ پر پابندی | بارہ سال سے پہلے ختنہ کرانے پر پابندی لگائی گئی ص ۳۷۲ اور پختگی عمر کے بعد بمشکل کوئی اس سنت پر عمل کرنے پر آمادہ ہو سکتا ۔

سونا اور ریشم حلال | مردوں کیلئے سونے اور ریشم کا استعمال نہ صرف جائز بلکہ تقریباً واجب قرار دیا گیا ۔

سور اور کتوں سے دلچسپی | بزعم اسلام سور اور کتے کی نجاست کو منسوخ قرار دیکر اپنے محل میں ان کی سکونت کا انتظام کرایا۔ یہاں تک کہ صبح سویرے ان کا دیکھنا عبادت سمجھا جاتا ص۳۵۷ —— بادشاہ تو بادشاہ روشن خیال فیضی کا حال یہ تھا کہ سفر میں بھی چند کتے ساتھ رکھتا۔ اور ان ہی کتوں کے ساتھ کھانا کھاتا۔ بعض شاعر تو کتوں کی زبان تک اپنے منہ میں لے لیتے۔ ص۳۵۷

سگ پرست تہذیب | آج مغربی تہذیب نے کتوں سے شیفتگی اور والہانہ محبت کو فیشن قرار دیا ہے۔ کتوں کے نام جائیدادیں وقف ہو رہی ہیں۔ گویا اس "سگ پرست" تہذیب کی داغ بیل بھی انگریزوں سے پہلے "دین الہٰی" کے ہاتھوں ڈالی گئی تھی۔

ذبیحہ گائے پر پابندی | کتوں سے اختلاط اور تعلق کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کی خوشنودگی کی خاطر گائے بیل، بھینس کا گوشت حرام قرار دیا گیا تھا۔ اگر کوئی شخص قصائی کے ساتھ کھانا کھا لیتا خواہ اسکی بیوی کیوں نہ ہوتی، حکم تھا کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔

یہ سب کچھ ان بلند بانگ دعوؤں کے باوجود کہ کسی مذہب کو دوسرے پر ترجیح نہ ہوگی مگر ان واقعات نے ثابت کیا کہ سارا ڈھونگ صرف غریب اسلام کے لئے رچایا گیا تھا، ورنہ اکبر نے مسلمانوں کی تمام تہذیبی اقدار اور تمدنی اجزاء کو ایک ایک کرکے مسخ کرنے کی کوشش کی۔ اکبر کی الحاد پسند طبیعت نے صرف اس پر قناعت نہ کی بلکہ ارادہ کیا کہ ہمیشہ کیلئے اسلام اور اسلامی ورثہ سے مسلمانوں کا رشتہ کاٹ دیا جائے —— اس مقصد کے لئے اکبر نے دین و رجال دین کو نشانہ بنایا۔ آن دینی معاھد اور اسلامی مدارس پر دست اندازی کی جو قرآن و سنت اور تعلیمات ربانی کے سرچشمہ تھے، ان خانقاہوں پر ہاتھ ڈالا جہاں سے مسلمانوں کی دینی تربیت اور تزکیہ کا کام وابستہ تھا۔ عربی زبان اسلامی علوم جو اسلام سے مسلمانوں کی وابستگی کا ایک مضبوط ذریعہ تھا، اکبر نے رفتہ رفتہ ان سب چیزوں پر اپنی گرفت سخت کر دی، عربی زبان اور عربی ثقافت کے ساتھ اس کا معاملہ بالکل ایسا تھا جیسا کہ پچھلے دنوں ترکی کے مصطفیٰ کمال کا رہا —— اکبری دور میں عربی زبان کے اضمحلال اسلامی علوم اور رجال دین کی غربت اور بے کسی دینی معاہد کی زبوں حالی اور شعائر اسلامی کی بربادی اور تباہی پر بھی ایک نگاہ حسرت و عبرت ڈالتے جایئے —— قرآنی زبان کو ملک بدر کرنے کی خاطر عربی پڑھنا اور پڑھانا عیب قرار دیا گیا ص۳۲۰ دوسرا

عربی زبان سے دشمنی | قدم یہ تھا کہ ایسے حروف جو عربی زبان کے ساتھ مخصوص تھے۔ مثلاً ث ح ع ص ض ط ظ ان کو مقامی بول چال سے بادشاہ نے باہر کر دیا ص۳۰۶ عبداللہ کو ابداللہ اور احدی کو اہدی کہنا عربی ناموں کی ترکیب ہندی سے بدل دی گئی:

(تذکرہ مجدد، مرتبہ مولانا منظور نعمانی)

اسلامی علوم کی کس مپرسی | اسلامیات اور دینیات سے سرکاری سرپرستی اٹھوائی گئی —— فقہ و تفسیر اور حدیث

پڑھنے والے مردود و مطعون ٹھہرائے گئے صت۳۲ کہ شاید اکبر کے خیال میں ایسے لوگ بے کار، قوم پر بار اور معاشی میدان اور مادی کارخانہ کے بے کار اعضاء تھے۔ اور اکبر کی "اصلاحات" اور "تجدیدات" کی تحسین کرنے کی بجائے اس کی مخالفت کرتے رہتے اور آج کل کی زبان میں ان کا کام ہی مخالفت اور فساد و انتشار رہ گیا تھا۔ یہ لوگ اکبر کے "ترقیاتی پروگرام" میں روڑے اٹکاتے تھے۔ اور رفتار زمانہ سے آنکھیں بند کر کے ہزار سال پہلے کی باتیں کرتے تھے ـــــ اسلامی علوم کی جگہ مدارس میں اس وقت کے ترقی یافتہ علوم اور سائنسی فنون "نجوم، طب حکمت حساب شعر و تاریخ افسانہ رائج و معروض" رائج کئے گئے ـــــ ایک شاہی سرکلر جاری کیا گیا کہ ہر قوم عربی علوم کو چھوڑ کر علوم نادرہ غریبیہ نجوم حساب طب فلسفہ پڑھا کرے صت۳۶۳ نصاب تعلیم کے اس تطہیر و اصلاح کے ساتھ ساتھ ایجابی کام یہ بھی کیا گیا کہ ہندی تہذیب و تمدن اور ہندوؤں کے روحانی بزرگوں کے کتابی ذخائر فارسی میں ترجمہ کئے جانے لگے۔ ان کتابوں کی اشاعت و ترویج کے لئے باقاعدہ دفتر قائم کئے گئے صت۳۳۰

دینی اداروں پر پابندیاں علم دین اور اہل علم کو سرکاری عملداریوں سے نکال پھینکنے کے بعد اب ضروری تھا کہ ملک کے دیگر شعبوں کی بھی ان سے تطہیر ہو جائے، اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا معاشی ناطقہ بھی ہر طرف سے بند کر دیا جائے بقول حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ

محکمہ قضا کا خاتمہ اسلامی شعائر میں سے اسلامی آبادیوں کا قاضی مقرر کرنا ہے جو قرن اکبری میں مٹا دیا گیا۔ (مکتوبات صت۱۹۵ ج۱) قضاء اور حکومت تو بڑی بات، جمعہ، عیدین اور اسلامی تقریبات کا کام بھی اکبر نے اپنے ہاتھ میں لیا ـــــ عید کے چاند میں اختلاف ہو رہا تھا، شرعی ثبوت سے پہلے اکبر عید کا اعلان کر کے لوگوں کے روزے تڑوا دیتا۔ (تذکرہ حضرت مجدد صت۹۲) ایسے ہی ایک موقع پر ابوالفضل، حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت مجدد روزہ سے تھے۔ ابوالفضل نے روزہ نہ کھولنے کی وجہ پوچھی حضرت مجدد سرہندیؒ نے فرمایا: "بادشاہ بے دین ست اعتبارے ندارد"

اوقاف سرکاری تحویل میں علماء و مشائخ ائمہ اور خطباء کے نام جو جاگیریں صدیوں سے وقف چلی آ رہی تھیں ان کو سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔ (تذکرہ صت۸۲) اسلامی علوم اور اہل علم کے اس مقتل کا نتیجہ ملا بدایونی کے الفاظ میں یہی ظاہر ہوتا تھا کہ "مدارس اور مساجد ویران اور اکثر علماء جلاوطن کر دیئے گئے۔" (منتخب التواریخ صت۲۷۷) دین اور شعائر دین کی یہ غربت اور بیکسی تھی، کہ یکایک رحمت حق جوش میں آئی۔ ان حالات نے سیدنا الامام ناصر سنت قامع بدعت آبروئے مجددین دین اللہ کا روشن چراغ، اللہ کے دشمنوں پر سیف مسلول امام عارف بدر الدین ابوالبرکات مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد فاروقی سرہندی کی پاکیزہ اور حساس روح کو تڑپا دیا۔ دعوت و عزیمت کے وہ جلیل القدر امام جن کی ساری زندگی درد و اضطراب، سوز و ساز، جہاد و ستیز، تڑپ اور ولولہ، دعوت و اصلاح

کے روشن احوال اور کارناموں سے لبریز ہے ـــــــ یہ بظاہر فقیر بے نوا مگر اقلیم دعوت و عزیمت کا تاجدار اٹھا اور اس شان سے اٹھا کہ ع

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

یہ اہل حق اور علماء ربانی کے سرخیل دین ابراہیمی اور ملت محمدی کی اس بیکسی پر بے قرار و بیکتے تھے روئے کہ ان کے جگر پاش نالہ و شیون سے زمین لرز اٹھی، آسمان تھرا گئے، خوابیدہ ضمیر جاگ اٹھے، مجددی جہاد و دعوت کے یہ تابناک نقوش ان کے مکتوبات کے ایک ایک صفحہ پر نقش ہیں وہ چیختے ہیں ـــــــ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے نور کو بدعات کے اندھیروں نے چھپا دیا ہے۔ اور ملت مصطفوی کی رونق کو ان نو ایجاد باتوں کی کدورتوں نے برباد کر دیا ہے۔ (مکتوب ۲۶۱ دفتر اول صـ ۳۰۳) اکبری دور میں دین کی بیکسی کا کتنا بھیانک نقشہ پیش فرماتے ہیں:

غربت اسلام نزدیک بہ یک قرن بنہجے قرار یافتہ است کہ اہل کفر بمجرد اجرائے احکام کفر برملا در بلاد اسلام راضی نے شوند۔ مے خواہند کہ احکام اسلامیہ بالکلیہ زائل گردند و اثرے از مسلمانان و مسلمانی پیدا نشود، کار تا بآں سرحد رسانیدہ اند کہ اگر مسلمانے از شعائر اسلام اظہار نماید بہ قتل مے رسد۔

ایک قرن میں اسلام کی غربت اس درجہ کو پہنچی کہ اہل کفر صرف اس پر راضی نہیں ہیں۔ کہ محض کفر کے احکام کا علانیہ اسلامی بلاد میں اجرا ہو جائے۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں۔ کہ اسلامی احکام بالکلیہ مٹا دئے جائیں اور اسلام و مسلمان کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔ بات یہاں تک پہنچائی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان اسلام کے کسی شعار کا اظہار کرتا ہے تو اس کو قتل کے انجام تک پہنچا دیا جاتا ہے۔"

ایک دوسرے مکتوب میں عہد اکبری کی سیاہ تصویر پر کس درد سے روشنی ڈالتے ہیں: "واویلاہ، وامصیبتاہ واحزناہ ـــــــ ہائے افسوس اور ہائے ہماری بربادی، پروردگار عالم کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے ذلیل و خوار تھے اور ان کے منکروں کی عزت کی جاتی تھی۔ مسلمان اپنے زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی تعزیت میں مصروف تھے اور دشمن مذاق اور تمسخر سے ان کے زخمی دلوں پر نمک چھڑکتے تھے۔ ہدایت کا آفتاب پردوں میں مستور تھا۔ اور نور حق باطل کے حجابوں میں چھپا ہوا۔ (مکتوبات ۴۷ ج ۱ صـ ۶۵ از امام ربانی کا جہاد تجدید از مولانا منظور نعمانی)

ملت اسلامیہ کے ایک دوسرے فرزند جلیل شاہ ولی اللہؒ کے الفاظ ہیں: "اکبر نے زندیقیت اختیار کی اور جہالت و گمراہی کے پھریرے اڑنے لگے ہر طرف سے مختلف ملتوں اور باطل مذاہب کے لوگ دوڑ پڑے اور عظیم فتنے پیدا ہو گئے" (شرح رسالہ رد الرفضة از تذکرہ مجددؒ صـ ۳۰۰)

یہ تھا اس روشن خیال، صلح کل وسیع المشرب "رند با صفا" اور "ملت جدید" کے بانی دولت مغلیہ کے

تاجدار "اکبر دی گریٹ" کے دین و مذہب کا ایک اجمالی خاکہ اور مادر پدر آزاد اکبری تہذیب کی حقیقت جس کے ڈھنڈورے الحاد اور اباحیت کے ایوانوں میں زور شور سے پیٹے گئے کہ آسائش غیر تناہی خلق وراں بود۔ اور آج بھی نام نہاد روشن خیال حلقے اکبر کا آئیڈیا پیش کر کے الحاد اور تحریف دین کی تحسین کر رہے ہیں ——

یہ ہے مغل ایمپائر کے ایک مطلق العنان حاکم اور عصر حاضر کے لادینی حلقوں کے مایۂ ناز "ہیرو" کی ایک ہلکی سی تصویر جسے "روشن خیال اور ترقی پسند" سمجھ کر دین اور اہل دین کے استیصال اور بیخ کنی کے سلسلہ میں اس کے سارے کارناموں کی تائید و تصویب کی جا رہی ہے۔ اور اصلاح و خیر خواہی کرنے والے علماء حق کو خود غرض، حریص اقتدار، مجرم اور واجب القتل قرار دیا جا رہا ہے۔ قبل اس کے کہ ان باتوں کی حقیقت احکم الحاکمین کے دربار میں کھل جاتی تاریخ نے یہاں بھی اپنا فیصلہ حق کے حق میں محفوظ رکھا، قدرت نے اکبر کے تخت پر جہانگیر اور پھر محی الدین عالمگیر اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کو بٹھا دیا۔ اور بہت جلد اکبر کی الحادی سلطنت پر حق و اہل حق کا پھریرا لہرانے لگا —— آج اکبر کے "الٰہی مذہب" کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے۔ اور حق قائم و دائم ہے —— والحق یعلوا ولا یعلیٰ

ان فی ذالک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید ——

—— واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل ——

سمیع الحق

یہ حقیقت ہے کہ ایسی بے سروسامانی اور بے چارگی کے باوجود حق تعالیٰ نے سنت انبیاء کرام اور اسوۂ اسلاف پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائی ——

شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست
ایں سعادت قسمت شہباز و شاہین کردہ اند

میں بحمد اللہ نظر بندی کی مدت میں بڑی عافیت کے ساتھ رہا۔ اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ قلب کو پوری طمانیت اور سکون حاصل تھا۔ جو اکابر کے قول کے مطابق حق پر ہونے کی نشانی ہے۔ دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ قبول فرما دے۔ آمین (اقتباس از مکتوب مولانا احتشام الحق تھانوی بنام شیخ الحدیث مدظلہ)

—— ۲۶ مارچ ۱۹۷۰ء رہائی کے بعد ——

حضرت جب میری خشک سالی پر زمانہ دراز گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے زبردستی کر کے مجھے اللہ اللہ کرنے پر مجبور کرتے ہیں جیسے ختم نبوت کی روشنی اور دوسری جیلیں اور اب یہ پورا چلہ ....

انکی مہربانیوں، نعمتوں اور احسانوں کا شکر کون ادا کر سکتا ہے۔

(اقتباس از مکتوب مولانا غلام غوث ہزاروی بنام مولانا عبدالحق مدظلہ)

—— جیل سے رہائی کے بعد ——

از ارشادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

مرتبہ : مولانا سعید الرحمٰن علوی ، گلشن آباد راولپنڈی

مورخہ ۲۷ نومبر ۱۹۶۷ء بمطابق ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۸۷ھ کو صبح دس بجے مدرسہ حنفیہ عثمانیہ ورکشاپی محلہ راولپنڈی میں "ختم بخاری شریف" کی تقریب سعید منعقد ہوئی جس میں مولانا قاری محمد امین صاحب ناظم مدرسہ کی دعوت پر حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے شمولیت فرما کر ختم بخاری کے بعد ذیل کی تقریر ارشاد فرمائی جسے ہم بشکریہ ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور (کتاب وحکمت نمبر) قارئین الحق کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

قال امیر المؤمنین فی الحدیث الامام الشیخ محمد بن اسمٰعیل البخاری ! باب قول اللہ ونضع الموازین القسط لیوم القیٰمۃ وان اعمال بنی اٰدم وقولهم یوزن وقال مجاهد القسطاس العدل بالرومیة ویقال القسط مصدر المقسط وهو العادل واما القاسط فهو الجائر حدثنا احمد بن اشکاب قال حدثنا محمد بن فضیل عن عمارة بن القعقاع عن ابی زرعة عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال النبی صلی اللہ علیه وسلم کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

سب سے پہلے آپ حضرات کا شکر گزار ہوں کہ اس مبارک تقریب میں مجھ ناچیز کو آپ نے شمولیت کا موقع دیا۔ یہاں بہت سے اکابر جو علماً وعملاً مجھ سے فائق ہیں ، موجود ہیں۔ صرف اس لحاظ سے کہ میں ذرا دور سے آیا ہوں۔ میری حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔

بخاری شریف کے متعلق علماء فرماتے ہیں : اصح الکتب بعد کتاب اللہ البخاری۔ اور یہ وہ کتاب ہے جس کے متعلق خود امام بخاریؒ نے فرمایا کہ ہر حدیث کے اندراج سے پہلے میں نے غسل کیا

دو رکعت نفل پڑھ کر حرم میں استخارہ کیا۔ اس کے بعد ترجمۃ الباب (عنوان) اور حدیث کو نقل کیا۔ یہ مصنف کے خلوص نیت کا ثمرہ ہے کہ اس کی جملہ احادیث پر اجماع ہے۔ اور کتاب اللہ کے بعد جتنا اس پر اعتماد ہے اور کسی کتاب پر نہیں، نیز جتنا فائدہ کتاب اللہ کے بعد اس کتاب سے مسلمانوں کو پہنچا کسی دوسری کتاب سے نہیں پہنچا۔ ۱۶ سال کے عرصہ میں امام نے یہ کتاب لکھ کر مسلمانوں پر احسانِ عظیم فرمایا۔ مسائل کا اس میں جتنا ذخیرہ ہے اور صحیح احادیث کی جو کثرت ہے وہ اسی کا حصہ ہے۔ علماء نے تجربہ کیا کہ مشکلات کے وقت بخاری کا ختم بہت نافع ہوتا ہے۔ خود ہمارے بزرگوں کا یہ معمول تھا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام جہاں پڑھا جائے گا وہ جگہ انوار و برکات سے معمور ہو گی۔ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت کی کہ میری موت کے وقت احادیث رسول پڑھتے رہنا۔ چنانچہ بیماری کا بگڑتا رنگ دیکھ کر حالتِ نزع میں شاگردوں، عزیزوں اور عقیدتمندوں نے احادیث کی تلاوت شروع کر دی۔ حضرت مرحوم اسی حالت میں احادیثِ رسول میں مستغرق رہے اور واصل بحق ہو گئے۔ علامہ جزائری نے لکھا ہے کہ بخاری کے مختلف ابواب جن کو تراجم الابواب کہا جاتا ہے۔ وہ ۳۴۵۰ ہیں ان میں سب سے پہلا باب ہے۔ باب کیف کان بدأ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر اس میں سیدنا حضرت عمرؓ کی مشہور حدیث نقل کی۔ انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ مانوی فمن کانت هجرته الی دنیا یصیبها او الی امرأة ینکحها فهجرته الی ما هاجر الیه ــــ اور کتاب کے آخر میں سب سے آخری ترجمۃ الباب جو لائے وہ ہے ونضع الموازین القسط۔ الخ اور اس میں حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی نقل کی۔ کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن۔ الخ مصنف علیہ الرحمۃ نے سب سے پہلے باب میں دو چیزیں نقل فرمائی ہیں، وحی اور نیت۔ وحی کو سب سے پہلے لانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ دین افکار و آراء کا نام نہیں زید عمر بکر کی عقل اگر کوئی تدبیر کرے اسے دین کا نام دیا جائے ایسے نہیں ہو سکتا۔ دین نہ تو متفرق افکار کا نام ہے اور نہ متفرق معقولات کا۔ بلکہ دین نام ہے مرضیات و احکاماتِ خداوندی کا۔ یہ مسئلہ بہت طویل ہو جائے گا کہ انسانی عقل بہت محدود ہے ایک انسان دوسرے کے ساتھ دل جوڑ کر بیٹھ جائے، تو بھی دوسرا دوست نہیں سمجھ سکتا کہ میرا دوست کیا چاہتا ہے۔ حتیٰ کہ سینہ سے سینہ ملا کر بھی ایسا ممکن نہیں۔ تاوقتیکہ وہ زبان سے کہہ دے۔ تو جب زبان سے کہے بغیر دوسرے انسان کی مرضیات کا پتہ نہیں چل سکتا۔ تو خدائے قدوس کی مرضیات کا پتہ کیسے چلے گا، جب تک وہ فرمائیں نہیں۔؟ پھر عقلاء کی رائیں مختلف ہیں۔ ایک کہتا ہے

عالم قدیم ہے، دوسرا کہتا ہے حادث ہے، ہم کس کی بات مانیں۔؟ ایک شخص ایک چیز کو کڑوا کہتا ہے، دوسرا میٹھا کہتا ہے، ہم کس کی بات مانیں۔؟ تو امام بخاریؒ نے باب بدالوحی قائم کرکے فرما دیا کہ دین کے معلوم کرنے کا ذریعہ وحی ہے جس کی حقیقت یہ ہے لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ تنزیل من حکیم حمید کہ وحی میں حق و باطل کے اشتباہ کا سوال ہی نہیں۔ پھر وہ حکیم وحمید کی طرف سے منزل ہے۔ وحی میں تین چیزیں ہیں ایک ہے موحی یعنی جس کی طرف سے وحی آتی ہے وہ خدا ہے جس کی صفت حکیم وحمید اور قادر وقیوم ہے، اس کی طرف سے جو قانون آئے گا۔ وہ سراسر باعث نجات وسعادت ہوگا۔ اور اس میں بھلائی ہی بھلائی ہوگی۔ دوسرے ہیں وحی لانے والے وہ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ہیں جن کی حقیقت یہ ہے انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین۔ وہ رسول کریم ہیں اور صاحب قوت ہیں، انکی قوت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے۔ کہ چھ لاکھ کی آبادی کو اپنی انگلیوں سے آسمان پرلے گئے۔ وہاں سے نیچے ٹپک دیا۔ جبرئیل امین سے پوچھا گیا کہ آپ کو کبھی تھکن محسوس ہوئی ہے۔؟ فرمایا نہیں۔ ہاں ایک مرتبہ عجلت سے کام لینا پڑا، جب حضرت یوسف علیہ السلام کو نسبی بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا میں اس وقت سدرۃ المنتہیٰ پر تھا۔ خدا نے حکم دیا کہ جلدی کرو یوسف پانی تک پہنچنے نہ پائیں! پھر جبرئیل کا مستقر وہ بھی بقول اکثر قرآن عرش کے پاس ہے۔ پھر وہ مطاع ہیں۔ ان کی فرمانبرداری کی جاتی ہے۔ روایات میں ہے کہ جب وحی لاتے ہیں تو ستر ہزار فرشتے باڈی گارڈ کے طور پر آگے پیچھے دائیں بائیں ہوتے ہیں۔ یہ محض قانونی تحفظ ہے۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے دنیا بھر کے شیاطین مل کر بھی کوئی حرکت کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ پھر جبرائیل امین فی نفسہٖ امین ہیں۔ خیانت کا سوال ہی نہیں اور جس ذات اقدس پر وحی آتی ہے۔ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کو نبوت بلکہ ختم نبوت اس وقت ملی جب کہ ادم بین الماء والطین تھے اور جن کو علم الاولین والآخرین عطا ہوا تھا یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور ان سے پہلے فرشتوں کے متعلق معلومات تو وحی آئی خدا کی طرف سے، لاتے والے جبرئیل امین، آئی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ پھر آگے مبلغین ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ علیؓ اور ایک لاکھ ۲۴ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو میدانِ عرفات میں تھے، جنہوں نے گھر بار چھوڑا جائیداد چھوڑی، قبیلہ کنبہ چھوڑا، محض اس لئے کہ براہِ راست مہبط وحی سے علوم حاصل کر سکیں۔ اور صحابہؓ کو اخذ حدیث کا جو شوق تھا۔ اس کا اس سے اندازہ لگائیں۔ کہ حضرت فاطمہ کو حضور علیہ السلام نے مرضِ وفات میں بلا کر کان میں کچھ کہا، آپ رو پڑیں۔ دوسری مرتبہ ایسے ہی سرگوشی فرمائی تو آپ ہنس پڑیں۔ اخذ حدیث کے شوق نے حضرت عائشہ کو سوال پر مجبور کیا۔

حضرت فاطمہؓ سے پوچھا کہ قصہ کیا تھا؟ کہنے لگیں کہ رازِ نبوی ہے۔ انتقال کے بعد پھر امہات المومنین نے جمع ہو کر حضرت فاطمہؓ سے پوچھا گویا اخذِ حدیث کا شوق ابھی برابر تھا۔ اب حضرت فاطمہؓ نے تبلا دیا کہ راز تو آؤٹ ہو چکا ہے۔ کہنے لگیں کہ پہلی مرتبہ آپ نے مجھے اپنے انتقال کی خبر دی اور دوسری یہ خبر دی کہ سب سے پہلے تیری ملاقات مجھ سے ہو گی اور تو سیدۃ النساء اہل الجنت ہے۔ تو بہر حال ایک ہے شکل عمل ایک ہے روح عمل اور ایک ہے نتیجہ عمل۔ اشکال اعمال کہ نماز کیسے ہو، روزہ کیسے ہو، تجارت کیسے ہو، ملازمت کیسے ہو۔ حضرت سلمان فارسی کو کسی نے طعنہ دیا کہ علمکم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کل شیئ حتی قضاء الحاجۃ قال نعم او کما قال۔ فرمایا ہاں ہمارے نبی نے ہمیں سب کچھ سکھلایا اور دور رس نگاہیں سمجھتی ہیں کہ دنیا میں انبیاء کے تشریف لانے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ہر شعبۂ زندگی میں رہنمائی کریں تو امام نے احادیث جمع کر کے تراجم کر کے اشکال اعمال سے آگاہ کیا گویا یہ انسائیکلو پیڈیا ہے۔ امام فرماتے ہیں کہ سن لو دنیا میں رہنا ہے، عبادات کرنی ہیں، حکومت کرنی ہے تو توجہ الی الوحی کرو حضورؐ کی احادیث کے سامنے دو زانو بیٹھو۔

امام بخاریؒ سب سے پہلے ذکر وحی لائے کہ مدار دین اور اصل دین یہی ہے اور فرمایا کہ اعمال کا مدار اس پر رکھو اس میں غلطی و نسیان نہیں۔ سہو اور چوک نہیں۔ لوگ آج اس پر بحث کرتے ہیں کہ وحی حجت ہے یا نہیں۔؟ وہ سمجھتے ہیں کہ چونکہ مدار دین یہی ہے، لہٰذا اس کی حیثیت کمزور کرو۔ اور بہ لباس مسلمانی اس پر بحث ہوتی ہے۔ اور دوسری چیز جو پہلے باب میں پیش کی وہ روح اعمال ہے۔ کیونکہ جسد بغیر روح کے بے سود ہے ایک بادشاہ اس وقت تک بادشاہ ہے جب تک اس میں روح ہے، روح گئی تو اپنے ہی منوں مٹی کے نیچے رکھ کر آ گئے۔ تو روح اعمال اخلاص وللہیت ہے۔ جب عمل شریعت کے قالب کے مطابق ہوں۔ اور روح عمل درست ہو تو آپ سارا دن مشغول فی العبادت سمجھے جائیں گے۔ اگرچہ آپ سارا دن دوکان پر رہیں۔ آپ تجارت کرتے ہیں اس نیت سے کہ حقوق پورے ہوں تو عبادت ہے۔ اور اگر نماز پڑھتے ہیں اس نیت سے کہ لوگ نمازی کہیں، تو قیامت میں رسوائی ہو گی۔ حضورؐ نے فرمایا نیۃ المؤمن خیر من عملہ۔ تو روح اعمال اخلاص وللہیت ہے۔ حدیث میں ہے کہ کوئی مسلمان خوشی سے اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ ڈالے وہ بھی عبادت ہے۔ اب اگر وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون کا مطلب صاف ہو جاتا ہے کہ انسانی زندگی کا مقصد ہی عبادت ہے۔ تو گویا پہلی حدیث میں اشکال وارواح اعمال کا تذکرہ کیا اور اب آخری حدیث میں نتیجہ اعمال کا ذکر ہے۔ دنیا میں ہر ایک نے ہزاروں کام کئے ہیں تو نتیجہ یہ ہے کہ قیامت میں ان کا وزن ہو گا۔ وزن

کے بعد یا جنت ہوگی یا جہنم۔ موازین میزان کی جمع ہے، یعنی ترازو جمع لائے اس لئے کہ ہر عمل کیلئے علیحدہ علیحدہ ترازو ہو، تو بھی ممکن ہے اور یہ بھی ہے کہ بسبب عالمین جمع لائے کہ ترازو ایک ہوگا اعمال تو سب کے تلیں گے، اس لحاظ سے موازین فرمایا۔ پھر یہاں بحث ہے کہ وزن اعمال صرف مسلمانوں کے ہوں گے یا کافروں کے بھی ایک قول کے مطابق کفار، انبیاء معصوم بچّے اس سے مستثنیٰ ہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ تلنے کے لئے اضداد کی ضرورت ہے۔ کافر کے سیئات ہی سیئات ہیں اور انبیاء کے حسنات ہی حسنات تو یہاں وزن نہیں تو گویا عند الغزالی عصاۃ مسلمین (گنہگار) کے اعمال کا وزن ہوگا۔ لیکن جمہور فرماتے ہیں کہ وزنی اعمال میں سب شریک ہیں، کافروں کے وزن اعمال کی ایک وجہ یہ ہے کہ ایک پلڑہ میں محض سیئات ہوں گی۔ دوسرا خالی ہوگا، تو مقصد حل ہو جاتا ہے۔ کہ مقصد ہے بھاری پن دکھلانا دوسری وجہ یہ ہے کہ کفار میں طبقات ہیں۔ عبادات ان کی معتبر نہیں کہ ایمان نہیں اور ایمان شرط ہے عبادات کے لئے۔ ہاں انسانی نیکیوں کے سبب تخفیف ہوگی جیسے کہ ابو طالب کے متعلق ہے۔ صحابہؓ نے آپؐ سے پوچھا کہ ابو طالب نے آپؐ کی ہمیشہ حمایت کی کلمہ نہیں پڑھا اس حمایت کا اسے فائدہ ہوگا۔؟ فرمایا جہنم سے نہیں بچ سکتا۔ ہاں اس کا جسد آگ سے محفوظ ہے۔ صرف اس کے پاؤں میں آگ کے چپل ہیں، جس سے اس کا دماغ کھولتا ہے۔ واللہ اعمال بنی آدم اعمال کے تلنے سے متعلق تین قول ہیں ——

پہلا قول یہ کہ حسنات اجسام نورانی اور سیئات اجسام ظلمانی بن جائیں گے، تو گویا یہاں کے اعراض وہاں اجسام بن جائیں گے۔ عالم مثال میں نبی کریم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ میں نے دودھ پیا۔ باقی حضرت عمرؓ کو دیا اور اس کی تعبیر علم سے فرمائی ہمارے بزرگوں نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک صاحب نے خواب میں دیکھا کہ مجھے ایک حسین وجمیل عورت ملی۔ مگر اندھی ہے۔ تو فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ نماز کے وقت تو آنکھیں بند کرتا ہوگا۔ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا اندھی ہونا اسی کا ثمرہ ہے کہ تو نماز میں آنکھیں بند کر لیتا تھا ——

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ رجسٹر تلیں گے، جنہیں کراماً کاتبین لکھتے ہیں اس کی دلیل حدیث ترمذی ہے کہ ایک آدمی کے ۹۹ رجسٹر لائے جائیں گے، سیئات سے پُر ہوں گے، وہ غریب پریشان ہوگا کہ میں تو مارا گیا یہ ۹۹ رجسٹر سیئات سے پر ہیں یہاں تک کہ ایک رجسٹر لایا جائے گا جس میں اخلاص سے کلمہ پڑھنے کا ذکر ہوگا۔ تو یہ ایک بھاری ہو جائے گا۔

تیسرا قول یہ ہے کہ ووجدوا ما عملوا حاضرا! کہ خود اعمال سامنے آجائیں گے۔ آج کل اس پر بحث کی ضرورت نہیں کہ آخر دنیا میں کس کس چیز کا پیمانہ نہیں۔ درجہ حرارت تک پتہ چل جاتا ہے۔ اور

ان تینوں میں تطبیق ممکن ہے کیونکہ آخری عدالت ہوگی۔ پہلے اجسام کی صورت میں وزن ہوگا۔ ممکن ہے صاحبِ اعمال کی تسلی نہ ہو تو اعمال ہی سامنے کر دیئے جائیں۔ بہر حال تطبیق ممکن ہے۔

قال مجاھد القسطاس العدل بالرومیة۔ امام بخاریؒ کا طریقہ ہے کہ آیت یا حدیث میں آئے ہوئے الفاظ کے مترادفات کا ذکر کر دیتے ہیں۔ دوسری زبانوں کی لغات کا عربی میں آنا اس میں ایک قول امام شافعیؒ کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ دوسرے لغات عربی میں نہیں کہ یہ لسان عربی مبین ہے۔ اگر ایسے ہے تو پھر مشکوٰۃ سجیل وغیرہ الفاظ کیسے آگئے، اس کا جواب ہے کہ یہ الفاظ تو لغات سے ہیں۔ ایک ہی لفظ کئی زبانوں میں مشترک ہو سکتا ہے۔ دوسرا قول ہے کہ الفاظ عجمی تھے پھر عربی میں منتقل ہوئے تو پھر بھی بلسان عربی مبین درست ہے۔ کیونکہ انسانی مدنی الطبع ہے۔ تبدیلی کے ساتھ ایسے ہوتا رہتا ہے۔

مقسط کا مصدر اقساط ہے، اس کا مجرد قسط ہے تو گویا قسط مصدر المصدر ہے ــــــ کما قال ابن بطال اور اس کا معنی عادل ہے، یعنی مزید ہو تو عادل اور مجرد ہو تو ظالم اور مقسط من الافعال اگر بمعنی ظلم لیا جائے تو بھی درست ہے کہ افعال میں ہمزہ سلب کے لئے آتا ہے تو پھر بھی معنی عادل درست ہے۔ یعنی ازالہ جور۔

قسطلانی نے لطیفہ نقل کیا ہے کہ حجاج بن یوسف جس کے متعلق امام حسن بصری نے فرمایا کہ اس امت کی ہر چیز کو خدا نے دوسروں پر فوقیت دی اگر قیامت میں دوسری امتوں کے ظلم اکٹھے ہوئے تو ہمارا ظالم (حجاج بن یوسف) بھی بڑھ جائے گا۔ ایک لاکھ پچیس ہزار صحابہؓ و تابعین قتل کروائے۔ اور اس کا کارنامہ ہے کہ اشاعتِ قرآن کو دیکھ کر اور یہ سمجھ کر کہ عجمی لوگ غلط نہ پڑھیں، اس نے اعراب لگوائے۔ بڑی عظیم خدمت بھی ہے۔ بہر حال اس نے مشہور تابعی سعید بن جبیر سے پوچھا، میں کیسا ہوں (کیف انا-؟) فرمانے لگے انت عادل قاسط۔ لوگ سمجھے کہ ڈر گئے اور تعریف کی لیکن حجاج تو خود بڑا ماہر اور زبان دان تھا۔ کہنے لگا انہوں نے مجھے مشرک اور ظالم کہا ہے۔ قاسط بمعنی ظالم یعنی واما القاسطون فکانوا لجھنم حطبا۔ (ظالم جہنم کا ایندھن ہیں) اور عادل بمعنی مشرک یعنی وھم بربھم یعدلون (یعنی یہ لوگ دوسروں کو خدا کے برابر کرتے ہیں۔ تو مشرک ہیں) خیال کریں کہ اتنا بڑا ظالم لیکن قرآن کی حقیقت کو کیسے سمجھتا ہے۔ اور آج ہر ایک کو قرآن دانی کا دعوٰی تو ہے، لیکن جو حال ہے وہ سب دیکھ رہے ہیں۔ اللہ بچائے۔

حدیث ! خفیفتان علی اللسان ظاہر ہے کہ کلمات مختصر ہیں، پڑھنے میں تکلیف نہیں،

دیر نہیں لگتی۔ ثقیلتان فی المیزان پہلے گذرا۔ کہ ایک رجسٹر ۹۹ رجسٹروں سے بھاری ہوگا۔ تو ثقیل بھی درست ہے۔ بشرطیکہ نیت خالص ہو۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ باری تعالیٰ کی صفات تین قسم کی ہیں۔ سلبی صفات یعنی وہ مکان سے پاک ہے، زبان سے پاک ہے، اسکی اولاد نہیں، ہر قسم کے عیوب و نقائص سے منزہ ہے اس کی تعبیر سبحان اللہ سے ہوتی ہے کہ وہ قادر و مختار ہستی ہر قسم کے عیوب و نقائص سے منزہ و مبرا ہے، دوسری قسم صفات ذاتیہ کی ہے۔ ان کی تعبیر الحمد للہ سے ہوتی ہے۔ کہ وہ ذاتِ قدیم و غفور تمام تعریفوں کی مستحق ہے، کہ ہر قسم کی صفاتِ محمودہ سے متصف ہے۔ تیسری چیز افعال باری ہیں۔ اس کی تعبیر عظیم سے ہوتی ہے۔ یعنی خداوندکریم اپنے بلند افعال کے سبب عظمت سے متصف ہے۔ تو تخلقوا باخلاق اللہ (کہ باری تعالیٰ کی صفات اپنے اندر پیدا کرو) کے تحت ہر قسم کے عیوب و نقائص سے ہمیں پاک ہونا چاہئے۔ چوری ڈاکہ شراب خوری، راہزنی، سمگلنگ ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ غرضیکہ ہر وہ برائی جو انسانیت کے خلاف ہے اور جس کی مذہب اجازت نہیں دیتا، اس کو چھوڑنا ہی سبحان اللہ کا اقتضا ہے۔ سچ بولنا۔ صلہ رحمی۔ احسان و مروت۔ غرباء و یتامیٰ کی کفالت جیسی جملہ اچھی صفات مذہب نے سکھلائی ہیں اور محمد مدنی علیہ السلام نے جن کی تعلیم دی ان کا اپنانا الحمد للہ کے منشاء کو پورا کرتا ہے۔ اور اس کے بعد ایسے کام کرنا جو بلند و بالا ہوں جن سے مسلمان کا دنیا میں وقار ہو ایسے کاموں کے کرنے سے ہم صاحب عظمت ہو سکتے ہیں اور العظیم کا مقصد ہی یہ ہے کہ مسلمان وہ کام کریں جو ان کی شان کے مطابق ہوں باری تعالیٰ توفیق عمل دیں ـــ آمین۔

ـــ بقیہ: قادیانیوں کا افتراء ـــ

اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۲ پر حجۃ الاسلام بانیٔ دار العلوم دیوبند علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے: اقتناع بالغیر میں کسے کلام ہے۔ اپنا دین ایمان ہے۔ کہ بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں صـ۱۰۳

آپ کا دین سب دینوں میں آخر ہے چونکہ دین حکمنامہ خداوندی کا نام ہے تو جس کا دین آخر ہوگا وہی شخص سردار ہوگا کیونکہ اس کا دین آخر ہوتا ہے جو سب کا سردار ہوتا ہے۔ (قبلہ نما صـ۱۱)

اس تفصیل سے مرزائیوں اور ربوہ والوں کا افتراء اور ان کی کذب بیانی کی پوری حقیقت آپ حضرات کے سامنے بے نقاب ہو چکی ہے ـــ بندہ یہ دعوی سے کہتا ہے کہ یہ لوگ کوئی دلیل اپنے دعوی کے مطابق ان حضرات کی عبارات میں پیش نہ کر سکیں گے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی نگاہ میں

مولانا ابوالحسن علی ندوی

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :

یہ بات تواتر سے عوام و خواص کے نزدیک ثابت ہے، کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی تعلق تھا۔ اور ان تینوں حضرات کو آپ کا قرب و اختصاص حاصل تھا اور ان تینوں کے آپ کے ساتھ رشتے ہیں۔ دو کی صاحبزادیاں آپؐ کے نکاح میں تھیں۔ اور ایک کے نکاح میں آپ کی دو صاحبزادیاں تھیں، اور کہیں اس کا ذکر نہیں آتا کہ آپ ان کی مذمت کرتے تھے، یا ان پر لعنت کرتے تھے۔ بلکہ معروف یہی ہے، کہ آپ ان سے محبت کرتے تھے اور ان کی تعریف فرماتے تھے۔ اب دو حال سے خالی نہیں، یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ یہ تینوں حضرات آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد ظاہراً و باطناً صالح، وفادار، اور سلیم العقیدہ اور صحیح العمل تھے۔ یا یہ کہ وہ تینوں آپ کی زندگی میں اور آپ کی وفات کے بعد استقامت پر نہیں تھے، اور (معاذاللہ) دین سے منحرف تھے۔ دوسری صورت میں اگر اس حالت اور انحراف کے باوجود ان کو آپ کا یہ تقرب حاصل تھا، تو دو میں سے ایک بات ماننی پڑے گی۔ یا تو آپ کو ان کے حالات کا علم نہیں تھا، یا علم تھا، لیکن آپ معاذاللہ مداہنت کرتے تھے۔ ان دونوں صورتوں میں سے ہر صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پر بڑا دھبہ اور بہت بڑا اعتراض ہے۔

یہ تو وہی بات ہوگی جو شاعر نے کہی ہے ؎

فان کنت لا تدری فتلک مصیبۃ وان کنت تدری فالمصیبۃ اعظم

اور اگر یہ کہا جائے کہ آپ کی زندگی تک تو وہ راہِ راست پر تھے، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے خواص اور اکابر اصحاب کے بارے میں بڑا دھوکا اور ناکامی ہوئی جس شخص کو اپنے بعد کی اطلاعیں دی گئی تھیں اور جس نے اپنے بعد ہونے والے واقعات کی خبر دی۔ اس کو اتنی بات نہیں معلوم تھی کہ اس کے اخص خواص اس طرح منحرف ہو جائیں گے۔ اور احتیاط کا تو یہی تقاضا تھا کہ امت کو آپ اس کی خبر دے جاتے، تا کہ وہ غلطی سے کہیں ان کو خلیفہ نہ بنالیں اور جس شخص سے یہ وعدہ کیا گیا کہ اس کا دین تمام ادیان پر غالب ہوگا۔ اس کے اکابر و خواص کیسے مرتد ہو سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی باتوں سے روافض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر بہت بڑا اعتراض کرتے ہیں۔ حضرت امام مالکؒ نے صحیح فرمایا کہ دراصل روافض[1] نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو مطعون کرنا چاہا تا کہ لوگ کہیں کہ بڑے آدمی تھے۔ اس لئے ان کے بڑے ساتھی تھے، اگر اچھے آدمی ہوتے تو ان کے ساتھی بھی اچھے ہوتے، اسی لئے اہل علم کا قول ہے، کہ رفض زندقہ کی ایک سازش[2] ہے۔

فضائل صحابہؓ قطعی و متواتر ہیں امام ابن تیمیہؒ صحابہ کرام کی عدالت کو اسلام کی ایک اہم بنیاد مانتے ہیں۔ اور ان کو اُن کی صداقت ثقاہت پر بڑا یقین ہے، وہ ان کو اسلام کی تعلیم کا سچا نمونہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور فیض صحبت کا بہترین نتیجہ تسلیم کرتے ہیں، ان کے نزدیک صحابہ کرام کے فضائل ایسے قطعی اور متواتر ہیں، اور قرآن مجید کی ایسی صریح نصوص و آیات سے اور ایسی صحیح احادیث و روایات سے ثابت ہیں کہ وہ کسی تاریخی روایت یا کسی غریب و شاذ حدیث سے مشکوک نہیں ہو سکتے۔ وہ لکھتے ہیں:

> جب کتاب و سنّت اور نقل متواتر سے صحابہ کرام کے محاسن و فضائل ثابت ہو چکے ہیں، تو یہ درست نہیں کہ وہ ایسی منقولات سے رد ہو جائیں، جن میں سے بعض منقطع، بعض محرف ہیں، اور بعض ایسی روایات ہیں جن سے ان ثابت شدہ حقائق پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس لئے کہ یقین، شک سے زائل نہیں ہوا کرتا، ہم کو کتاب و سنّت اور اپنے پیشروؤں کے اجماع اور ان کی مؤید اور متواتر روایات اور عقلی دلائل سے اس بات

---

[1] اسی طرح وہ لوگ جو عدالت صحابہؓ کو مجروح کرنا چاہیں۔ (ادارہ)

[2] منہاج السنۃ ج ۴ ص ۱۲۳

کا یقین ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل الحق تھے، اس یقینی و متواتر چیز پر ان امور کا اثر نہیں پڑ سکتا جو مشکوک و مشتبہ ہیں، چہ جائیکہ جن کا باطل ہونا ظاہر ہو چکا ہے۔ (حصہ ۳ ص ۲۰۹)

امام ابن تیمیہ اس کے قائل نہیں کہ صحابہ کرام انبیاء علیہم السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح معصوم تھے۔ ان سے گناہ کا صدور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ لیکن وہ اس کے ضرور قائل ہیں کہ امت کے تمام لوگوں میں وہ سب سے زیادہ عادل، خدا ترس، صادق القول، امین، اور راست باز تھے۔ اگر ان سے غلطیاں یا گناہ ہوئے تو اس کے مقابلہ میں اُن سے ایسے اعمال حسنہ اور خدا اور رسولؐ کو راضی کرنے والے کام ہوئے، جو ان سیات کا کفارہ بن گئے۔ اور بہر حال اُن کے حسنات اور اعمال کا پلڑا ان کی تقصیرات پر بھاری ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے بھی گناہوں سے معصوم ہونے کے قائل نہیں، چہ جائیکہ خطاء فی الاجتہاد کے بھی قائل نہ ہوں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

والذی جاء بالصدق وصدق به اولئک هم المتقون لهم ما یشاءون عند ربهم ذلک جزاء المحسنین لیکفر الله عنهم اسوأ الذی عملوا ویجزیهم اجرهم باحسن الذی کانوا یعملون۔ (الزمر۔ ع۔۴)

اور جو سچی بات لایا اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی پرہیزگار ہیں، ان کے لئے جو کچھ وہ چاہیں گے، ان کے رب کے پاس موجود ہوگا، نیکوکاروں کا یہی بدلہ ہے، تاکہ اللہ ان سے وہ بُرائیاں دور کر دے جو انہوں نے کی تھیں، اور اللہ ان کو ان کا اجر دے، ان نیک کاموں کے بدلہ میں جو وہ کیا کرتے تھے۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

اولئک الذین نتقبل عنهم احسن ما عملوا ونتجاوز عن سیئاتهم فی اصحاب الجنة وعد الصدق الذی کانوا یوعدون۔ (الاحقاف۔ع۔۲)

یہی وہ لوگ ہیں جن سے ہم وہ نیک عمل قبول کرتے ہیں، جو انہوں نے کئے اور بہشتیوں میں شامل کر کے ان کے گناہوں سے درگذر کرتے ہیں۔ یہ اس سچے وعدہ کے مطابق ہے جو ان سے کیا گیا تھا۔

صحابہ کرام کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی | وہ کہتے ہیں کہ ان بشری لغزشوں اور کوتاہیوں کے باوجود جو انسانیت کا لازمہ ہیں، مجموعی حیثیت سے انبیاء علیہم السلام کے علاوہ افراد انسانی کا کوئی مجموعہ اور انسانوں کی کوئی نسل صحابہ کرام سے بہتر سیرت وکردار کی نظر نہیں آتی، اگر اُن کی زندگی میں کہیں کہیں کچھ ہلکے سے دھبے اور داغ نظر آتے ہیں تو اس کی مثال ایسی ہے، جیسے سفید کپڑے میں کہیں کچھ تھوڑی سی سیاہی نظر آجائے، یہ عیب چینیوں کا قصور ہے کہ اُن کو اس کپڑے میں سیاہی کا نقطہ تو نظر آیا، اور اس کپڑے کی سفیدی نظر نہ آئی، دوسری جماعتوں کا تو حال یہ ہے کہ ان کا سارا نامۂ اعمال سیاہ نظر آتا ہے۔ کہیں کہیں سفیدی نظر آتی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام اخیار امت ہیں۔ امت محمدی میں کوئی ایسا گروہ نہیں ہے، جو ان سے زیادہ ہدایت اور دین حق پر مجتمع اور تفرق واختلاف سے دور ہو، اُن کی زندگی میں کوئی نقص کی بات بھی نظر آتی ہے، تو اگر اسکا کسی دوسری امت کے حالات زندگی سے مقابلہ کیا جائے تو اس کے مقابلہ میں اسکی کوئی حقیقت نہیں معلوم ہوتی غلطی اس شخص کی ہے جسکو سفید کپڑے کی تھوڑی سی سیاہی تو نظر آتی ہے مگر سیاہ کپڑے کی تھوڑی سی سفیدی نظر نہیں آتی - یہ بڑی نادانی اور بڑا ظلم ہے۔ اگر ان اکابر کا اپنے ہم مرتبہ لوگوں سے مقابلہ کیا جائے تو پھر ان کی فوقیت اور ان کی ترجیح ظاہر ہو۔ باقی یہ کہ کوئی شخص اپنے دل میں کوئی خیالی تصویر بنائے یا کوئی معیار تجویز کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہ کیا ہو، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایک شخص اپنے دل میں ایک امام معصوم کا تصور قائم کر لیتا ہے۔ ایک شخص ایک اور ایسے امام کا تصور قائم کرتا ہے جس میں اور معصوم میں کوئی فرق نہیں۔ اگرچہ اس کو صاف صاف معصوم نہیں کہتا۔ اور وہ تجویز کرتا ہے کہ عالم کو یا شیخ کو یا امیر کو یا بادشاہ کو ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ اور خواہ وہ کیسا ہی کثیر العلم، کیسا ہی دیندار صاحب محاسن ہو، اور اس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے کیسے ہی خیر کے کام کرائے ہوں، لیکن یہ تجویز کرتا ہے کہ اس کو ایسا کامل العلم ہونا چاہیئے کہ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو۔ اور وہ کسی بھی مسئلہ میں غلطی نہ کرے۔ وہ بشریت کے لوازم وخصائص سے پاک ہو۔ کبھی اُس کو غصہ نہ آتا ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں، بلکہ بہت سے لوگ تو ان ائمہ کے متعلق وہ تجویز کرتے ہیں جو انبیاء تک کے لئے تجویز نہیں کرتے ہیں ــــــ" (منہاج السنۃ حصہ ۳ ص ۲۴۲)

امام ابن تیمیہ اس پر بڑا زور دیتے ہیں، کہ جس شخص کی ساری تاریخ پر نظر ہوگی، اور اس نے مختلف قوموں، امتوں اور ملتوں کے حالات پڑھے ہوں گے، اور مختلف انسانی جماعتوں کا تجربہ کیا ہوگا۔ اس کو اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ صحابۂ کرام سے زیادہ متحد، حق کا پیرو، فتنہ اور افتراق سے نفور اور اور نفسانیت و دنیاداری سے دور کوئی جماعت نہیں گزری، وہ لکھتے ہیں:

فمن استقرأ اخبار العالم فی جمیع الفرق تبیّن له انه لم یکن قط طائفة اعظم اتفاقاً علی الهدی و الرشد والبعد عن الفتنة والتفرق والاختلاف من اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم الذین هم خیر الخلق بشهادة الله لهم بذالك اذ یقول تعالی کنتم خیر امّة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون بالله۔	جس شخص نے دنیا کے تمام فرقوں کے حالات و واقعات کا اہتمام سے مطالعہ کیا ہے۔ اور ان کے حالات کا تتبع کیا ہے۔ وہ جانتا ہے۔ کہ کوئی گروہ ایسا نہیں گزرا جو ہدایت و رشد پر صحابۂ کرامؓ سے زیادہ مجتمع اور تفرق و اختلاف سے ان سے زیادہ دور ہو، ان صحابۂ کرام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے۔ کہ وہ اس کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ وہ فرماتا ہے تم وہ بہترین امت ہو۔ جو لوگوں کے لئے نکالی گئی ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو۔ برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

مسلمانوں میں جو کچھ خیر ہے صحابۂ کرامؓ کی برکت ہے امام ابن تیمیہ یہ بالکل صحیح فرماتے ہیں کہ اس وقت مسلمانوں کے پاس علم و دین کا جو کچھ سرمایہ ہے، خیر و برکت کا جو کچھ ذخیرہ ہے۔ شعائر اسلام کی بلندی، اسلام کی اشاعت، عمل خیر کے جو کچھ محرکات اور جو کچھ توفیق خیر ہے۔ اور سچ پوچھئے تو عالم میں اسوقت جو کچھ صلاح و خیر نظر آرہی ہے، وہ سب صحابۂ کرام کی جانفشانیوں، اخلاص علو ہمت، ایثار اور قربانیوں کا نتیجہ اور ان کے نفوس قدسیہ کی برکت و نورانیت ہے۔ امام ابن تیمیہ بڑے جوش سے لکھتے ہیں:

واما الخلفاء والصحابة فکلّ خیر فیه المسلمون الی یوم القیامة من الایمان والاسلام	اس وقت سے لے کر قیامت تک مسلمانوں کے پاس جو کچھ خیر ہے مثلاً ایمان و اسلام، قرآن، علوم و معارف، عبادات، دخول جنت

والقرآن والعلم والمعارف والعبادات ودخول الجنة والنجاة من النّار وانتصارهم على الكفار وعلو كلمة الله فانّما هو ببركة ما فعله الصّحابة الّذين بلغوا الدّين وجاهدوا في سبيل الله وكل مومن امن بالله فللصحابة رضي الله عنهم عليه فضل الى يوم القيامة وكل خير فيه الشيعة وغيرهم فهو ببركة الصّحابة وخير الصّحابة تبع لخير الخلفاء الراشدين فهم كانوا اقوم بكل خير في الدّين والدّنيا من سائر الصحابة۔

جہنم سے نجات، کفار پر غلبہ اللہ کے نام کی بلندی، وہ سب صحابہؓ کرام کی کوششوں کی برکت ہے، جنہوں نے دین کی تبلیغ کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا۔ جو مومن بھی اللہ پر ایمان لایا اس پر صحابہؓ کرام کا احسان قیامت تک رہے گا۔ اور شیعہ وغیرہ کو بھی کچھ خیر حاصل ہے، وہ صحابہؓ کرام کی برکت سے اور صحابہؓ کرام کی خیر خلفائے راشدین کی خیر کے تابع ہے۔ اس لئے کہ وہ دین و دنیا کی ہر خیر کے ذمہ دار و سرچشمہ تھے۔

میرے بزرگو! صحابہ کرامؓ دین کی جڑیں ہیں۔ دین کی عمارت ان پر کھڑی ہے اور اگر جڑیں کاٹ دی جائیں تو گو ہزاروں دفعہ آبپاشی کریں مگر درخت سرسبز و شاداب نہیں ہو سکے گا۔ یہ عظیم الشان نعمت ہمیں ان لوگوں کے ذریعہ پہنچی اور جب صحابہ کے درمیان نفرت و عداوت پیدا کر دی جائے تو دین کہاں رہیگا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں "رحماء بینہم" کہا حضورؐ نے فرمایا میرے صحابہ کے بارہ میں خدا سے ڈرتے رہو کہیں انہیں سب و شتم اور تنقید کا نشانہ نہ بنالینا انہوں نے اسلام کی خدمت کی انکی رگ رگ میں حضورؐ کے ساتھ عشق بھرا ہوا تھا۔ تو حضورؐ نے فرمایا جسکی میرے ساتھ محبت ہے وہ میرے دوستوں سے بھی ضرور محبت کریگا۔ مجنوں سے عشق سیکھو کہ جذبۂ محبت میں لیلیٰ کے کتوں کو گود میں بٹھاتا تھا، چومتا پیار کرتا تھا۔ آج کل عجیب تماشا ہے ایک طرف عشق رسولؐ کا دعویٰ، دوسری طرف ایک ایک صحابی پر تنقید، گویا معاذ اللہ حضورؐ اپنے جان نثاروں کی بھی اصلاح نہ کر سکے۔ کتنی بڑی زد پہنچی ہے ———

ہم اہل سنت والجماعۃ حضرات شیخین (ابوبکرؓ و عمرؓ) کی فضیلت حضرات ختنین (دونوں داماد عثمانؓ و علیؓ) کی بزرگی اور محبت کے قائل ہیں۔ غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایسے ہی موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ "جس خون سے خداوند تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو بچایا ہم اتنے عرصہ بعد اس خون سے اپنی زبان کیوں آلودہ کریں"۔ کسی بزرگ سے پوچھا گیا حضرت معاویہؓ کا مقام بلند ہے یا عمر بن عبدالعزیزؒ کا۔ فرمایا حضرت معاویہؓ نے جس گھوڑے پر حضورؐ کی رفاقت میں جہاد کیا اس گھوڑے کی نتھنوں کی غبار تک بھی عمر بن عبدالعزیز نہیں پہنچ سکتے۔ (اقتباس از مقام صحابہؓ وعظ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ۔)

امام شافعیؒ اور شعر

ولادت ۱۵۰ھ ــــــــ وفات ۲۰۴ھ

مصر سے حال ہی میں ایک کتاب "دیوان الامام الشافعیؒ" کے نام سے چھپ کر آئی ہے، جس میں مختلف مآخذ سے امام شافعیؒ کے اشعار حکمت کو جمع کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی مختصر تشریح بھی دی گئی ہے۔ ہمارے دیرینہ کرم فرما فاضل بے بدل محترم مولانا محمد یوسف صاحب (مامون کانجن) جو اسوقت مجلہ شہیرہ "بینات" کراچی کی مجلس ادارت کے رکن رکین ہیں، کی خواہش وایماء پر مولانا محمد اسلم صاحب نے اس خزینۂ حکمت کے اردو ترجمہ و تشریح کا کام شروع کیا ہے، تاکہ قارئین الحق بھی اپنے اس علمی ورثہ اور ادبی گنجینہ سے محظوظ ہو سکیں۔ ادارۂ الحق محترم مضمون نگار اور خاص کر مولانا محمد یوسف صاحب (کثر اللہ امثالہم) کے اس علمی ایثار کا شکر گذار ہے۔ "ادارہ"

امام شافعیؒ کی کنیت ابو عبداللہ اور نام محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع ہے۔ نسباً آپ قریشی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ عبد مناف میں آپکا نسب مل جاتا ہے۔ بیت المقدس سے تھوڑی دور تقریباً دو مرحلہ کے فاصلہ پر غزہ یا عسقلان میں آپ کی ولادت ہوئی، دو سال کی عمر تھی کہ آپ کے والدین آپ کو مکہ مکرمہ لے کر آئے، نہایت تنگدستی اور افلاس میں آپ کی پرورش ہوئی۔ یہاں تک کہ علمی مضامین اور یادداشتوں کے لکھنے کیلئے جب آپ کو کاغذ بھی میسر نہ آتا تو آپ جانوروں کی ہڈیوں پہ لکھ لیتے، آپ کی عمر کا ابتدائی حصہ شعر شاعری، ادب و بلاغت، اور تاریخ وغیرہ کی تحصیل میں گزرا۔ خود ہی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں منیٰ میں تھا کہ پشت کی جانب سے ایک آواز آئی ـــ "علیک بالفقہ" ـــ فقہ سیکھو ـــ ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ؛ مسلم بن خالد زنجی سے آپکی ملاقات ہوئی، انہوں نے فرمایا، صاحبزادے! آپ کس ملک کے باشندے ہیں، میں نے کہا مکہ مکرمہ کا۔ فرمایا؛ مکان کس محلہ میں ہے، میں نے کہا خیف میں۔ پھر پوچھا کس قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو۔ میں نے

عرض کیا عبد مناف کی اولاد سے ہوں، سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے۔ بہت خوب ــــ بہت خوب ــــ پھر فرمانے لگے اللہ تعالیٰ نے تمہیں دونوں جہاں کا شرف بخشا ہے۔ بہتر تو یہ تھا کہ آپ اپنی اس بے مثال اور خدا فہم و ذکاوت کو فقہ میں صرف کرتے۔ یہ سن کر امام شافعیؒ نے ان کی شاگردی قبول کی۔ ان کے بعد امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ مؤطا حفظ کر چکے تھے اور آپکی عمر کل تیرہ برس کی تھی، آپ مؤطا کے درس میں شریک ہوگئے، جب قرأت کا وقت آیا، تو آپ نے بر زبان قرأت شروع کی۔ امام مالکؒ کو اس پر بڑا تعجب ہوا، اور آپ کی قرأت کو بہت پسند فرمایا۔ جب یہ ختم کرنے کا ارادہ کرنے لگے تو فرمایا اور پڑھو اور پڑھو ــــ امام مالکؒ نے ان کے حق میں فرمایا تھا کہ: "تم تقویٰ کو اپنا شعار رکھنا ایک زمانہ آئے گا کہ بڑے مرتبہ والے انسان ہوگے"

ایک روایت میں ہے۔ کہ امام مالکؒ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل میں ایک نور ودیعت رکھا ہے، معصیت کر کے اسے ضائع نہ کرنا"

اس کے بعد آپ عراق تشریف لے گئے، پندرہ برس کی عمر میں آپ کے شیخ "مسلم بن خالد زنجی" نے آپ کو فتویٰ نویسی کی اجازت دے دی تھی۔ حدیث، تفسیر، فقہ، ادب و عربیت کے ساتھ ساتھ آپ بڑے ماہر تیر انداز بھی تھے۔ دس میں ایک تیر بھی نشانہ سے خطا نہ ہوتا تھا۔

امام نوویؒ شرح مہذب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: "امام عبد الرحمٰن بن مہدی کی خواہش پر امام شافعیؒ نے اصول فقہ میں "الرسالہ" تصنیف فرمایا تھا۔ اسی وجہ سے آپ کو اصول فقہ کا مؤسس کہتے ہیں۔ فقہ میں آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صحیح احادیث کو لیتے اور ضعیف کو ترک کر دیتے تھے۔ عبادات کے مسائل میں آپ احتیاط کا پہلو اختیار فرمایا کرتے تھے، آپ کی تصنیف "کتاب الام" اور "الرسالہ" طبع ہو کر امت سے خراجِ تحسین پا چکی ہیں۔

ان تمام فضائل و کمالات کے باوجود نکتہ چینی سے آپ بھی محفوظ نہیں رہے۔ حتیٰ کہ یحییٰ بن معین جیسے شخص سے ایسے کلمات منقول ہیں، جن کو سن کر آخر کار امام احمد بن حنبلؒ کو یہ کہنا پڑا: ومن این یعرف یحیی الشافعی ...... ومن جهل شيئاً عاداه ــــ یحییٰ بن معین امام شافعیؒ کو کیا جانیں اور جو شخص کسی کو نہ جانتا ہو وہ اس پر برافروختہ ہو جاتا ہے۔

حافظ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں کہ یحییٰ بن معین سے متعدد طریقوں سے ثابت ہے کہ وہ امام شافعیؒ پر جرح فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ امام احمد بن حنبلؒ نے ان کو اس سے روکا اور فرمایا کہ: تمہاری ان

دو آنکھوں نے اس جیسا شخص نہیں دیکھا ہوگا۔[1]

علم وفضل کے ساتھ سخاوت حد درجہ تھی۔ حمیدی ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں کہ آپ صنعاء سے تشریف لائے اور اس وقت آپ کے پاس دس ہزار دینار تھے۔ آپ کا خیمہ مکہ مکرمہ سے باہر لگا ہوا تھا، لوگ زیارت اور ملاقات کے لئے آتے تھے، اور آپ ان کو دینار تقسیم کرتے تھے یہاں تک کہ بیٹھے بیٹھے آپ نے وہ تمام رقم لوگوں میں تقسیم کر ڈالی۔

ابن خلکان، ربیع بن سلیمان مرادی سے نقل کرتے ہیں، کہ انہوں نے وفات کے بعد امام شافعیؒ کو خواب میں دیکھا، ان سے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا۔ امام شافعیؒ نے جواباً فرمایا، مجھے ایک سنہری کرسی پر بٹھایا اور میرے اوپر بیش قیمت موتی بکھیر دیئے۔

امام شافعیؒ محض ایک فقیہ ہی نہ تھے، بلکہ علوم دینیہ کے علاوہ دیگر بہت سے علوم کے ماہر اور جامع بھی تھے۔ چنانچہ علوم القرآن، علوم الحدیث، قیاس، اجماع اور انکار بدعت میں مہارت تامہ کے ساتھ ساتھ علم طب، علم نجوم، علم فراست، علم الانساب، میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے، گذشتہ واقعات، جنگوں کے قصے اور عجائبات دنیا، میں وسیع معرفت اور واقفیت حاصل تھی۔ علم لغت میں وہ دقیق اور وسیع نظر حاصل تھی کہ عبداللہ بن ہشام (صاحب المغازی) کو بھی اس کا اقرار کرنا پڑا ان کا مقولہ ہے۔ "الشافعی ممن توخذ عنه اللغة۔" شافعیؒ ان لوگوں میں سے ہیں جو امام لغت ہونے کی بناء پر اس کے مستحق ہیں کہ ان سے لغت کو حاصل کیا جائے۔

امام موصوف اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے۔ فطری طور پر شاعرانہ ذوق رکھتے تھے۔ فن شعر میں وہ قدرت اور ملکہ حاصل تھا کہ جس موضوع پر چاہتے فی البدیہہ شعر کہہ ڈالتے جس کی نظیر دوسرے شعراء پیش کرنے سے عاجز ہوتے۔

امام شافعیؒ کے اشعار "دیوان" کی شکل میں جمع نہیں ہو سکے، البتہ ایک معتدبہ حصہ مختلف ابواب وفصول کے ضمن میں موجود ہے، جسے اگر جمع کر لیا جائے تو ایک ضخیم "دیوان" تیار ہو سکتا ہے۔

امام شافعیؒ کی شعر گوئی امام موصوف نے سب سے پہلے قبیلہ ھذیل کے اشعار کو حاصل کیا۔ اپنی شاعری کی ابتداء کے متعلق خود فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ کی سکونت ترک کر کے قبیلہ ھذیل کے ہاں چلا گیا، سترہ برس ان میں رہا۔ کسی وقت بھی ان سے جدا نہیں ہوتا تھا۔ ان کے شاعرانہ ذوق اور طبیعت کا غور وفکر سے جائزہ لیتا رہا۔ اسی مدت میں شعر گوئی کی پوری قدرت حاصل کر لی تھی۔ امام ممدوح ھذیل کی

[1] جامع بیان العلم لابن عبدالبرج ۲ ص ۱۶۰

فصاحت کے بیحد گرویدہ تھے، قبیلہ حذیل کو افصح العرب کہا کرتے تھے۔ حذیل کے علاوہ شنفری کے اشعار کی بھی روایت کرتے، طفیل غنوی کے اشعار سے تمثل کرتے۔ شعر کے لئے دور دراز کا سفر کرتے۔ زبیر بن بکار اپنے چچا مصعب بن عبداللہ بن الزبیر سے بیان کرتے ہیں، کہ ایک دفعہ وہ یمن گئے، وہاں ان کی ملاقات امام شافعیؒ سے ہوئی۔ امام شافعیؒ وہاں شعر، نحو، حدیث حاصل کرنے کی غرض سے گئے ہوئے تھے۔

ذھبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ قریش میں فن تیر اندازی میں سب سے زیادہ ماہر تھے۔ ان کا نشانہ سو فیصد ٹھیک بیٹھتا تھا۔ اور امام شافعیؒ ہی پہلے شخص ہیں جس نے تیر اندازی، شعر گوئی، لغت، اور ایام العرب میں کمال حاصل کیا۔

رواۃ شافعیؒ | امام شافعیؒ سے باقاعدہ شعر کی روایت ثابت ہے۔ چنانچہ اصمعی کہتے ہیں کہ میں امام شافعیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا تاکہ ان سے شنفری اور حذیل کے اشعار حاصل کروں اور شعر کی روایت اور شرح حاصل کر لوں۔ ابوعثمان مازنی کہتے ہیں کہ میں نے اصمعی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے شنفری کے اشعار مکہ مکرمہ میں امام شافعیؒ سے پڑھے ہیں۔ حسان بن محمد بھی اصمعی سے اسی قسم کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔ کہ میں نے حذیل کے اشعار کی تصحیح قریش کے ایک نوجوان محمد بن ادریس الشافعیؒ" سے کی ہے۔

امام شافعیؒ کے اشعار کا مرتبہ | امام شافعیؒ کے اشعار کی فضیلت کے لئے انکی امام موصوف کی طرف نسبت ہی کافی دلیل ہے۔ فن شعر میں امام شافعیؒ کا مقام بہت بلند اور اونچا ہے۔ موالی امام کے بارے میں مبرد کا قول نقل کرتے ہیں "کان الشافعی من اشعر الناس وآدب الناس" امام شافعیؒ بہترین شاعر اور بہترین ادیب تھے۔ ابن رشیق کا مقولہ ہے۔ "اما محمد بن ادریس الشافعیؒ فکان من احسن الناس افتنانا فی الشعر" امام شافعیؒ تفنن شعر میں سب سے زیادہ ماہر تھے، ابن ھشام کا قول ہے کہ، میں ایک زمانہ تک امام شافعیؒ کی خدمت میں رہا، اس دوران میں۔ میں نے انکی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہیں سنا جو عربیت کے بلند معیار سے گرا ہوا ہو۔ اور اس سے بہتر کلام عرب میں کوئی اور لفظ موجود ہو۔ ابن ھشام ہی کا قول ہے۔ کہ امام شافعیؒ کا کلام مستقل ایک لغت ہے، جسے حجت میں پیش کیا جا سکتا ہے، یہی ابن ھشام کہتے ہیں کہ: اہل عربیہ میں سے کچھ لوگ ہمارے ساتھ امام شافعیؒ کی مجلس میں حاضر ہوا کرتے تھے، ایک دن میں نے ان سے کہا: تم لوگ فقہ کیوں نہیں حاصل کرتے، انہوں نے کہا: ہم شافعیؒ

کی لغت سننا چاہتے ہیں ——

—— اب ہم امام موصوف کے اشعار (جو مختلف مآخذ سے لئے گئے ہیں) کا ترجمہ و تلخیص پیش کرتے ہیں۔ (وباللہ التوفیق)

—— (قافیہ ہمزہ) ——

واحسرۃ للفتیٰ ساعۃً یعیشہا بعد اودّائہ

انسان کیلئے اسکی زندگی میں وہ ساعت بہت ہی حسرت اور افسوس کی ساعت ہے۔ جو دوستوں کی مفارقت کے بعد آئے۔

عمر الفتی لو کان فی کفّہ رمی بہ بعد احبّائہ

اگر انسان کی زندگی اس کے قبضہ میں ہوتی، تو دوستوں کی جدائی کے بعد اسے بھی ختم کر دیتا ——

امام شافعیؒ کے ان اشعار کا حاصل یہ ہے کہ: مخلص دوستوں کی ہمنشینی، صحبت اور رفاقت و معیت ختم ہونے کے بعد پہلی گھڑی جو انسان پر آتی ہے، وہ اتنی سخت اور حسرت آمیز ہوتی ہے کہ اس کی تلخی برداشت سے باہر ہوتی ہے، اگر زندگی کا معاملہ بس میں ہوتا تو دوستوں کی جدائی کے بعد انسان اسے بھی ختم کر دیتا —— امام ممدوح کا یہ مبالغہ ان کے صدق محبت اور حسن وفا پر دال ہے۔ چنانچہ ان کا ایک مقولہ بھی ہے۔ " لا سرور یعدل صحبۃ الاخوان ولا غم یعدل فراقہم والغریب من فقد إلفہ لا من فقد منزلہ۔ " یعنی مخلص دوستوں کی صحبت اور رفاقت میں جو مسرت ہے اس کے برابر کوئی اور خوشی نہیں اور ان کے فراق میں جو غم اور دکھ ہے اس سے بڑھ کر کوئی غم نہیں۔ حقیقت میں اجنبی وہ ہے جس سے مخلص دوست بچھڑ گیا ہو، وہ نہیں جسکا گھر نہ ہو۔

—— (قافیہ بار) ——

یہ اشعار امام شافعیؒ نے اس وقت کہے تھے، جب ان کے سر کے بال بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہونے لگے تھے۔

خبت[2] نار نفسی باشتعال مفارقی واظلم لیلی اذا اضاء شہابہا

بالوں کے سفید ہونے کی وجہ سے میرے نفس کی آگ بجھ گئی اور میری رات سیاہ ہو گئی جب اس کے ستارے روشن ہوئے ——

مآخذ:- [1] محزون فی تسلیۃ المحزون [2] تذکرۃ القرطبی للشعرانی۔ ایقاظ الہمم فی شرح الحکم لابن عجیبہ

ابا بومۃ قد عششت فوق ھامتی   علی الرغم منی حین طار غرابھا

اے الو! تو نے میری ناگواری کے باوجود میرے سر پر گھونسلا بنا لیا جب کہ اس کا کوا اڑ گیا۔ (یعنی سیاہ بال سفید ہوئے۔)

پہلے شعر کا حاصل یہ ہے کہ جوانی میں جو ولولہ اور جوش تھا وہ ضعف پیری کے آنے سے ختم ہو گیا اور طبیعت بالکل مردہ ہو گئی۔ اور دوسرے شعر میں سیاہ بالوں کو کوے سے اور بڑھاپے کو الو سے تعبیر کیا ہے۔

رأیت خراب العمر منی فزرتنی   وماوٴاک عن کل الدیار خرابھا

تو میری بوسیدہ عمر کو دیکھ کر میری زیارت کو گیا۔ اور تیرا ٹھکانا برباد گھر ہی ہوا کرتے ہیں۔

أأنعم عیشاً بعد ما حل عارضی   طلائع شیب لیس یغنی خضابھا

کیا میں اپنی زندگی سے خوش ہو سکتا ہوں۔ حالانکہ میرے رخساروں پر بڑھاپے کے ایسے آثار (جھریاں) ہیں جنکو خضاب بھی دور نہیں کر سکتا۔

وعزۃ عمر المرء قبل مشیبہ   وقد فنیت نفس تولی شبابھا

اور آدمی کی عمر (زندگی) کی عزت بڑھاپے سے پہلے ہی ہوتی ہے، اور وہ نفس تو فنا ہی ہو گیا جسکی جوانی پیٹھ پھیر چکی ہو۔

اذا اصفر لون المرء وابیض شعرہ   تنغص من ایامہ مستطابھا

جب آدمی کا رنگ زرد اور بال سفید ہو جائیں، تو اس کے خوشی کے دن بدمزہ ہو جاتے ہیں۔

فدع عنک سوآت الامور فانھا   حرام علی نفس التقی ارتکابھا

سو اب برائیوں کو چھوڑ دے، کیونکہ پاکیزہ نفس کے لئے گناہوں کا ارتکاب حرام ہے۔

وادّ زکوٰۃ الجاہ واعلم بانھا   کمثل زکوٰۃ المال تم نصابھا

اور اپنے جاہ و مرتبہ کی زکوٰۃ ادا کر، کیونکہ (جاہ و مرتبہ کی زکوٰۃ) مثل مال کے فرض ہے جب کہ اس کا نصاب پورا ہو جائے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جس طرح مال میں نصاب پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے، اسی طرح آدمی کے جاہ و مرتبہ پہ بھی زکوٰۃ آتی ہے۔ جاہ و مرتبہ کا نصاب آثار پیری ظاہر ہونے پر (چالیس سال پر) پورا ہو جاتا ہے۔ اسکی زکوٰۃ خشیت الٰہی، تقویٰ، پاکیزہ اخلاق و اعمال، اتباع شریعت، خلق خدا کے ساتھ حسن سلوک اور کامل خیر خواہی، خصوصاً انسانی برادری کے ساتھ تعلقات کا استوار رکھنا، جنگل

امور میں امداد و اعانت کرنا وغیرہ امور خیر ہیں ——

واحسن الی الاحرارِ تملک رقابہم فخیر تجارات الکرام اکتسابہا

شریف اور دانشمند لوگوں کے ساتھ احسان کرو۔ ان کے مالک ہو جاؤ گے۔ شریف لوگوں کی بہترین تجارت شریف لوگوں کی کمائی ہے۔

امام موصوف نے احسان کو شرفاء کے ساتھ مقید (خاص) کیا ہے۔ اس لئے کہ شریف لوگ احسان مند اور قدر شناس ہوتے ہیں۔ ان پر احسان کرنا مفید اور بار آور ثابت ہوتا ہے ——

ولا تمشین فی منکب الارض فاخرا فعما قلیل یحتویک ترابہا

زمین کی سطح پر فخر سے (اکڑ کر) مت چل، عنقریب اسکی مٹی تیرا احاطہ کرے گی ——

ومن یذق الدنیا فانی طعمتہا وسیق الینا عذبہا وعذابہا

جو دنیا کی لذت چکھنا چاہے چکھ لے، میں تو اسے کھا چکا ہوں اور ہماری طرف اسکا تمام میٹھا کڑوا آیا ہے۔

فلم ارہا الا غروراً وباطلا کما لاح فی فلوات الارض سرابہا

میں نے دنیا کو سوائے دھوکے اور باطل شے کے کچھ نہیں پایا (اسکی مثال ایسی ہے) جیسے ریگستان میں ریت کا ٹیلہ پانی معلوم ہوتا ہے۔

وما ھی الا جیفۃ مستحیلہ علیہا کلاب ھمھن اجتذابہا

دنیا تو محض ایک متعفن لاش ہے جس پر کتے جمع ہیں (اور اسے) نوچ کھانے پر لڑ رہے ہیں ——

فان تجتنبہا کنت سلماً لاھلہا وان تجتذبہا نازعتک کلابہا

پس اگر تم اس سے بچے رہو گے تو اہل دنیا سے تمہاری صلح رہے گی۔ اور اگر تم بھی اسکی چھینا جھپٹی میں مشغول ہو جاؤ گے تو دنیا کے کتے تم سے جنگ شروع کر دیں گے۔

فطوبیٰ لنفس اودعت قعر دارہا مغلقۃ الابواب مرخی حجابہا

وہ روح بہت مبارک ہے جسے اس کے گھر کے اندر ودیعت رکھ دیا گیا ہو، جسکے دروازے بند ہوں اور پردے لٹکے ہوئے ہوں۔

—— (قلوب کا اختلاف) ——

ان اشعار کو ابن خلکان نے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام شافعیؒ ان اشعار کے متعلق خود فرمایا

کرتے تھے کہ : میں بیوی سے (جو خاندان قریش سے تھی) بطور مزاح کہا کرتا تھا۔

ومن البلیۃ ان تحب فلا یحبک من تحبہ

بڑی ہی مصیبت ہے کہ جس سے تو محبت کرے وہ تجھ سے محبت نہیں کرتا۔

بیوی جواب میں کہتی :—

ویصد عنک بوجھہ وتلج انت فلا تغبہ

اور وہ تجھ سے روگردانی کرے اور تو ہر چند کوشش کرے لیکن تو ناغے سے بھی اس سے ملاقات نہ کر پائے۔

(سفر کی محبت)

ساضرب فی طول البلاد وعرضہا انال مرادی او اموت غریباً

میں دور دراز کے شہروں کا سفر کروں گا ، یا اپنی مراد کو پالوں گا یا (پھر) سفر کی حالت میں مر جاؤں گا۔

فان تلفت نفسی فللّٰہ درّھا وان سلمت کان الرجوع قریباً

پھر اگر میری جان (دوران سفر) ضائع ہو جائے تو صد آفرین۔ اور اگر (ہلاکت سے) محفوظ رہے تو (کوئی غم نہیں کیونکہ) عنقریب سفر سے واپسی ہو جائے گی۔

ان اشعار میں امام ممدوح نے حصول مراد میں اپنے عزم اور حوصلہ کو بیان کیا ہے کہ : مجھے اپنے مقصد میں کامیاب ہونے سے دشوار سے دشوار امر بھی مانع نہیں ہو سکتا۔ میں اپنے مقصد کو پورے عزم سے حاصل کروں گا۔ خواہ مجھے دنیا کا طول و عرض چھاننا پڑے۔ اور میں اس سفر کے مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کروں گا۔

(سفر کے منافع)

سافر تجد عوضاً عمن تفارقہ وانصب فان لذیذ العیش فی النصب

سفر کرو (اور غم نہ کرو) تمہیں بچھڑے ہوئے احباب کا نعم البدل مل جائے گا۔ تکلیف برداشت کرو کیونکہ زندگی کی لذت تکلیف ہی میں ہے۔

انی رأیت وقوف الماء یفسدہ ان سال طاب وان لم یجر لم یطب

میں نے دیکھا ہے کہ پانی کا کھڑا رہنا اسے فاسد کر دیتا ہے۔ اگر وہ چلتا رہے تو خوشگوار رہتا ہے ، اگر نہ چلے تو بدبودار ہو جاتا ہے۔

بیت

والاسد لولا فراق الغاب ما افترس والسہم لولا فراق القوس لم یصب

شیر اگر اپنی کچھار سے نہ نکلے، شکار نہیں کر سکتا۔ اور تیر اگر کمان سے نہ نکلے تو نشانے پر نہیں لگ سکتا۔

والتبر کالترب ملقی فی اماکنہ والعود فی ارضہ نوع من الحطب

سونا مٹی ہے جب تک اپنے معدن میں ہو اور "عود" اپنی جگہ میں لکڑی کی ایک قسم ہی ہے۔

ان اشعار میں امام موصوف نے سفر کی ترغیب دلائی ہے۔ اور اس میں طبعی ناگواری، اہل وعیال اور احباب کی مفارقت پر حزن وملال کا مختلف پہلوؤں سے ازالہ کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ کہ سفر میں گھر کی جدائی کا غم نہیں ہونا چاہئے۔ ہو سکتا ہے، کہ حالت سفر میں ایسے لوگوں کی رفاقت نصیب ہو جائے جس میں ایسی راحت ہو کہ گھر میں اس کا تصور بھی نہیں ہوتا تھا۔ اگرچہ سفر میں تکالیف اور خطرناک حوادث بھی پیش آتے ہیں۔ بعض دفعہ ہلاکت تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ تاہم سفر میں ایسی لذت اور منفعت پنہاں ہے، کہ اس کے بغیر زندگی کا صحیح مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ آدمی کی مخفی صلاحیتیں اور جوہر نمایاں نہیں ہوتے ۔۔۔ مثلاً پانی کو دیکھئے اگر یہ اپنی جگہ پر کھڑا رہے تو بدبودار ہو جاتا ہے۔ اگر چلتا رہے تو میٹھا اور خوشگوار ہوتا ہے۔ اسی طرح شیر اگر اپنی کچھار ہی میں بیٹھا رہے تو کبھی شکار نہیں کر سکتا۔ اور اس کے اوصاف لازمہ کبھی ظاہر نہیں ہو سکتے۔ تیر اگر کمان ہی میں کسا رہے باہر نہ نکلے تو نشانہ پر نہیں لگ سکتا۔ یہی حال سونے اور عود کا ہے۔ سونا جب تک معدن میں ہے اسکی کوئی قیمت نہیں مٹی ہی کی مانند ہے۔ اسکی قدر وقیمت جبھی معلوم ہوگی جب اسے کان سے نکال لیا جائے۔ "عود" جب تک بازار نہ آئے لوگ اسے آگ پر نہ رکھ لیں اسکی خوشبو نہ سونگھ لیں۔ اس کے درمیان اور دوسری قسم کی لکڑیوں کے درمیان فرق نہیں ہو سکتا۔ بعینہ یہی مثال سفر کی ہے۔ آدمی کی صحیح قیمت گھر میں ظاہر نہیں ہوتی جب تک باہر نہ نکلے ۔۔۔۔۔ (جاری)

صحابہؓ جیسی ۲ رکعت

سید احمد شہیدؒ سے بیعت ہوتے وقت شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحی کی انوکھی خواہش

مولانا کرامت علی جونپوری نے رسالہ نور علی نور میں سید احمد شہیدؒ سے مولانا عبدالحی اور مولانا اسماعیل شہید کے بیعت کا واقعہ خود مولانا عبدالحی کے حوالہ سے یوں بیان کیا ہے:

ایک روز اس عاجز مسکین نے حضرت عالم ربانی مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ سے عرض کیا کہ آپ جو اس قدر میاں[1] صاحب سے اعتقاد رکھتے ہیں، اور روپے پیسے کپڑے وغیرہ دنیاوی چیزوں کو چھوڑ کے میاں صاحب کی صحبت اختیار کئے ہیں اور آپ کے بدن پر جو کپڑا ہے، اس کے سوا آپ کے پاس کہیں کپڑا بھی نہیں، اور آپ جب میاں صاحب کے روبرو بات کرتے ہیں، تو ترساں و لرزاں رہا کرتے ہیں، تو للہ آپ ہم سے سچ بیان کیجئے کہ آپ نے میاں صاحب سے کیا پایا، جو اپنا حال ایسا بنایا۔

تب مولانا مغفورؒ نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں سچ بیان کروں گا۔ سنو! میرا یہ حال تھا کہ میں سلوک الی اللہ اور مشاہدہ حاصل ہونے کا بڑا مشتاق تھا۔ تب میں نے مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ سے عرض کیا کہ مجھ کو آپ سلوک الی اللہ تعلیم کیجئے۔ اور اس کے قبل میں بہت سے ہندی اور ولایتی مرشدوں سے توجہ لے چکا تھا، مگر میرا مقصود حاصل نہ ہوا تھا۔ تب آپ نے مجھ کو حضرت شاہ غلام علی قدس سرہٗ کے پاس بھیجا۔ وہاں بھی چند روز توجہ لیتا رہا، مگر میرا مقصد حاصل نہ ہوا۔ تب میں نے حضرت مولانا سے پھر عرض کیا کہ یہ خادم حضور کی توجہ کا محتاج ہے اور حضورؒ دوسرے مقام میں بھیجتے ہیں، ہم کو آپ خود تعلیم کیجئے۔ تب حضرت مولانا نے فرمایا کہ میاں، میں بہت

[1] مراد سید احمد شہیدؒ۔

بڈھا اور کمزور ہوا اور مجھ میں بہت دیر تک بیٹھنے کی طاقت نہیں۔ یہ مقصد تمہارا میر احمد صاحب[1] سے حاصل ہوگا۔ تم ان سے بیعت کرو۔ تب اس جناب کا یہ فرمانا مجھ کو بہت شاق گزرا اور میں ناراض ہو کر چپ کر رہا۔ پھر کئی بار اور بھی عرض کیا، وہی جواب پایا۔ آخر کو بعد چند روز کے یہ واقعہ درپیش ہوا کہ میں اور حضرت میاں صاحب اور میاں محمد اسمٰعیل مدرسے کے ایک ہی مکان میں رہا کرتے تھے۔ ایک شب کو بعد عشا کے جب ہم تینوں شخص پلنگ پر سوئے، تب میاں صاحب نے فرمایا کہ مولانا مجھ کو حضرت رب العالمین نے محض اپنے فضل وکرم سے بطور الہام کے خبر دیا ہے کہ فلانی تاریخ فلانے سفر میں تو جاوے گا، فلانے مقام میں یہ ہوگا، فلانے مقام میں وہ ہوگا اور اس قدر لوگ مرید ہوں گے وعلی ہذا القیاس سب باتیں بیان کیں۔ پھر دوسرے روز بھی ایسی ہی عجیب وغریب باتیں بیان کیں۔ اسی طرح سے کئی روز تک مکہ معظمہ کے سفر اور جہاد کے سفر اور جہاد کے واقعات کا بیان بتفصیل تمام فرمایا۔ تب ہم نے اور میاں محمد اسمٰعیل نے مشورہ کیا کہ اگر یہ سب باتیں سچ بیان کرتے ہیں، تو بلاشبہ یہ بہت بڑے شخص اور قطب ہیں۔ ان سے کچھ فیض لینا بہت ضروری ہے۔ سو، آؤ کسی بات میں ان کا امتحان کریں۔ تب میاں محمد اسمٰعیل نے کہا کہ آپ ہم سے بڑے ہیں، آپ ہی تجویز کر کے کسی بات میں امتحان کیجئے۔ آخر کو جب پہر رات کو میاں صاحب نے پکارا کہ مولانا! تب ہم نے عرض کیا کہ حضرت، آپ کی بزرگی میں کچھ شبہ نہیں، مگر ہم کو ان سب باتوں سے کیا فائدہ؟ کچھ ہم کو عنایت کیجئے۔ تب فرمایا، کہ مولانا کیا مانگتے ہو؟ تب ہم نے کہا کہ حضرت ہم یہی مانگتے ہیں کہ جیسی نماز صحابۂ کرام ادا کرتے تھے، ویسی ہی دو رکعت ہم سے ادا ہو۔ یہ کہنا اور میاں صاحب ایک بارگی خاموش ہو گئے اور اس روز پھر کچھ نہ بولے۔ تب ہم لوگوں نے جانا کہ فقط یہ زبانی باتیں تھیں، اصل باتوں سے ان کو کچھ علاقہ نہیں! مگر ہمیشہ کی دوستی اور صحبت کی مروت سے ہم لوگ کچھ نہ بولے، کہ اب شرم دینا کیا ضرور، اور چپ کر کے سو رہے پھر آدھی رات کے کچھ قبل یا بعد حضرت میاں صاحب نے پکارا: "مولانا"۔ اس پکارنے سے مجھ کو قشعریرہ[2] ہوا اور بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اس جناب سے مجھ کو بڑا

---

[1] حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سید شہیدؒ کو میر صاحب کہا کرتے تھے۔ (ادارہ)

[2] لرزہ اور رونگٹے کھڑے ہو جانا۔

اعتقاد آگیا۔ تب میں نے جواب میں کہا: "حضرت"! تب فرمایا، کہ جاؤ اس وقت اللہ کے واسطے وضو کرو۔ تب میرے بدن پر پھر قشعریرہ ہوا اور میں نے کہا کہ بہت خوب! دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا: "مولانا، سن لو!" میں پھر حضرت کے پاس حاضر ہوا۔ فرمایا، "تم نے خوب سمجھا" میں نے کیا کہا! "میں نے کہا کہ اللہ کے واسطے وضو کرو" پھر میں نے کہا: بہت خوب، اور چلا۔ دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور اسی طرح فرمایا۔ اسی طرح تین بار کیا، اور تیسری بار جا کے میں وضو کرنے لگا۔ تو ایسا حضورِ دل اور حق سبحانہٗ کے خوف سے میں نے ادب کے ساتھ وضو کیا کہ ایسا وضو کبھی نہ کیا تھا۔ پھر وضو کر کے حضرت کے حضور میں حاضر ہوا۔ فرمایا کہ جاؤ، اللہ رب العالمین کے واسطے اس وقت دو رکعت نماز پڑھو۔ تب میرے بدن پر قشعریرہ ہوا اور نماز کے واسطے چلا۔ دو تین قدم چلا تھا کہ پھر پکارا اور میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ فرمایا: کہ تم نے خوب سمجھا یا نہیں۔؟ میں نے کہا کہ جاؤ اس وقت اللہ رب العالمین کے واسطے دو رکعت نماز پڑھو۔ میں نے کہا کہ بہت خوب! اور نماز کے واسطے چلا۔ پھر تیسری بار بلایا اور ویسا ہی سمجھا دیا۔ تب میں نے ایک گوشے میں نماز شروع کیا، تو تکبیرِ تحریمہ کے ساتھ ہی ایسا مشاہدۂ جلال میں غرق ہوا کہ ہوش نہ باقی رہا اور اسقدر رویا کہ آنسوؤں سے ڈاڑھی تر ہو گئی۔ اور اس قدر نماز میں غرق ہو گیا کہ دنیا کی یاد مطلق نہ باقی رہی اور نہایت خوف اور لذّت کے ساتھ میں نے دو رکعت نماز پڑھی۔ جب دو رکعت پڑھ چکا، تو خیال کیا کہ میں نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تھی۔ پھر سلام پھیر کے دوبارہ دوسری بار دو رکعت کی نیت کی۔ جب پڑھ چکا، تو خیال کیا کہ فاتحہ میں سورہ کو ضم نہ کیا تھا۔ پھر شروع کیا۔ اسی طرح ہر بار ایک ایک واجب کے ترک کرنے کا خیال آتا تھا اور نماز کو ناقص سمجھ کے دُہراتا تھا۔ واللہ اعلم سو رکعت یا زیادہ کم پڑھی ہو گی، کہ صبح صادق کا وقت ہوا، پھر آخر کو ناچار ہو کے سلام پھیرا اور بہت شرمندہ ہوا۔ کہ میری استعداد اسطرح کی ناقص ہے کہ دو رکعت پوری بھی حضورِ دل کے ساتھ نہ پڑھ سکا اور اتنے بڑے کامل شخص کو میں نے آزمایا۔ اب اگر وہ پوچھیں کہ تم نے دو رکعت اللہ کے واسطے پڑھا، تو میں کیا جواب دوں گا۔؟ میں تو حضورِ دل کے ساتھ جیسا کہ حق نماز پڑھنے کا ہے، ویسا دو رکعت بھی نہ پڑھ سکا۔ اسی سوچ میں شرم کے دریا میں

غرق ہو گیا اور اپنے قصور کا معترف ہو کے اللہ سبحانہ کے خوف سے استغفر اللہ استغفر اللہ کہنا شروع کیا۔ جب اذان ہوئی تب مجھ کو ہوش آیا اور یاد پڑا۔ کہ صحابۂ کرام کا یہی حال تھا کہ تمام رات عبادت کرتے اور پچھلی رات کو استغفار کرتے تھے۔ ان کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ۔ اور سوچا کہ بلاشبہ یہ بڑے کامل مرشد ہیں کہ ان کے کلام سے میرا مقصد پورا ہوا اور جو نعمت مدتِ دراز کی محنت سے حاصل نہ ہوئی تھی، سو ان کے ایک دم کے فرمانے سے حاصل ہوئی۔ پھر میں مسجد میں گیا اور قبل نماز فجر کے میں نے حضرت میاں صاحب سے بیعت کیا اور صبح کی نماز کے بعد میاں محمد اسمٰعیل سے میں نے رات کا قصہ پورا بیان کیا، کیونکہ وہ مجھ کو صادق جانتے تھے۔ انہوں نے بھی حضرت میاں صاحب سے بیعت کی ——

پھر میں دن کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے پاس گیا اور رات کا قصہ بیان کیا اور اپنے بیعت کرنے کا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: بارک اللہ! بارک اللہ! خوب کیا! میاں، میں تم سے اسی واسطے کہا کرتا تھا۔ کیوں میاں، تم نے میر صاحب کا کمال دیکھا۔؟ تب میں نے عرض کیا کہ حضرت، میں نے بہت درویشوں کی خدمت کی۔ اور بہت طریقوں کے موافق میں نے شغل اور مراقبہ کیا۔ میرا مقصد کبھی نہ حاصل ہوا۔ حضرت سید صاحبؒ نے ایک بات زبان سے کہہ دی اور میں اپنا دلی مقصد پا گیا۔ حضرت، یہ کون سا طریقہ کہلاتا ہے۔؟ تب فرمایا کہ: میاں ایسے لوگ کسی طریقے کے محتاج نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ جو زبان سے کہیں، وہی طریقہ ہے۔ ایسے لوگ خود صاحب طریقہ ہوتے ہیں، اور ایسے لوگ طریقہ نکالتے ہیں۔" حضرت مولانا کے فرمانے سے اور بھی زیادہ مجھ کو حضرت میاں صاحب کے مرشد صاحب طریقہ ہونے کا یقین ہوا اور میرا اعتقاد اور بھی زیادہ ہوا۔ اس سبب سے میں میاں صاحب کی غلامی میں حاضر ہوں اور ان کی غلامی کے قابل بھی میں اپنے تئیں نہیں پاتا"۔ ●

(سیرۃ سید احمد شہیدؒ)

ماہنامہ الحق آغاز سے لیکر اب تک بلاناغہ سات تاریخ سے پہلے پہلے پوری احتیاط سے تمام قارئین کے نام سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ پھر بھی کافی تعداد میں احباب کے شکایتی خطوط موصول ہو رہے ہیں۔ ہم محکمہ ڈاک کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں جن حضرات کو پرچہ نہ ملے وہ ۲۰ تاریخ سے قبل اطلاع دیں، پرچہ دوبارہ بھیج دیا جائے گا —— (ادارہ)

عالم اسلام

ایک مسلم ریاست

عیسائیت کے نرغے میں

عیسائی مشنریاں مسلمانوں کیلئے ایک چیلنج

عبدالحق تمنا ایجوکیشن آفیسر جی۔ ایس۔ ایس۔ اوورین شمالی نائیجیریا

پاکستان اور اسلام کا دشمن صرف ہندو ہی نہیں، عیسائی بھی ہے۔ عیسائیوں نے جو سلوک مسلمانوں کے ساتھ قبرص، ایریٹریا، اسرائیل اور کشمیر کے سلسلے میں کیا ہے، وہ ان کی اسلام دشمنی کا بڑا ثبوت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسی صورت میں پاکستانی حکومت اور پاکستانی مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ دنیا میں تبلیغِ دین کی بطور خاص کوشش کریں۔ اس وقت تبلیغ دین مذہبی نقطۂ نظر سے بھی اہم ہے اور سیاسی نقطۂ نظر سے بھی ——

اب ذرا جنوب مغربی افریقہ کے مسلمانوں پر نظر ڈالئے۔ ابھی تقریباً تیس سال پہلے تک چھڈ، کیمرون، نائیجیریا، مالی، نائیجر، گھانا اور مغربی افریقہ کے دوسرے ممالک میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، لیکن انگریزوں فرانسیسیوں، پرتگالیوں اور یورپ کے دوسرے ممالک کی حکومتوں نے لاکھوں عیسائی مشن کھول کر مسلمانوں کی اکثریت کو اقلیت میں بدل دیا ہے۔ مغربی افریقہ کے سارے ممالک کے مسلمانوں پر تبصرہ کرنے کے لئے ایک کتاب چاہئے۔ میں اس مضمون میں صرف شمالی نائیجیریا کے مسلمانوں کی موجودہ حالت پر مختصر تبصرہ کرنا چاہتا ہوں۔ ویسے جو حالت شمالی نائیجیریا کے مسلمانوں کی ہے، کم وبیش یہی حالت سارے جنوب مغربی افریقہ کے مسلمانوں کی ہے۔

شمالی نائیجیریا پر انگریزوں نے تقریباً ۱۹۰۰ء میں حکومت کرنا شروع کی اور ان کی حکومت کے قیام کے ساتھ ہی پورے ملک میں عیسائی مشنریوں کا جال بچھ گیا۔ مشنریوں نے ہزاروں سکول کھول دیئے۔ اور

حکومت نے بھی چند سکولوں کی بنیاد ڈال دی۔ شروع میں یہاں کے مسلمانوں نے ان سکولوں کے ساتھ وہی رویہ اختیار کیا جو انگریزوں کے شروع کے دورِ حکومت میں برِصغیر کے مسلمانوں نے اختیار کیا تھا۔ یعنی انگریزی زبان اور سائینس کی تعلیم کا بائیکاٹ کیا۔ مشنریوں نے بہت جلد بت پرستوں کو عیسائی بنا کر سرکاری عہدوں پر فائز کر دیا۔ جب مسلمان خوابِ غفلت سے جاگے تو تعلیم کے ایسے دیوانے ہوئے کہ اپنا دین و ایمان بھی قربان کر بیٹھے، اسلامیہ سکول موجود نہ تھے، اس لئے مشن سکولوں میں بچے بھیجے جانے لگے اور جو بچہ وہاں سے پڑھ کر نکلا۔ وہ عیسائیت کے اثر سے بچ نہ سکا ـــــ تعلیمی اداروں کی مندرجہ ذیل تعداد سے مسلمانوں کی تعلیمی حالت اور اس کے اثرات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے :۔

	کل تعداد	عیسائی مشنری سکول	لوکل ایجوکیشن اتھارٹی کے یا سرکاری سکول	اسلامیہ سکول
سینئر اور جونیئر پرائمری سکول	۲۶۰۷	۱۱۲۹	۱۴۶۶	۱۲
سیکنڈری سکول	۷۷	۴۷	۳۰	×
ٹیچرز ٹریننگ کالج	۵۵	۲۸	۲۷	×

لوکل ایجوکیشن اتھارٹی کے سکولوں میں (جو جونیئر اور سینئر پرائمری نہیں) انجیل کی تعلیم لازمی ہے۔ اور اسلامی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں۔ اس کے علاوہ ان مدارس کے اسی فیصد اساتذہ عیسائی ہیں۔ اور ہر عیسائی تبلیغِ عیسائیت اپنا فرض سمجھتا ہے۔ مسلمان اساتذہ اسلام کے بارے میں خود کچھ نہیں جانتے۔ اس لئے ان کی طرف سے تبلیغ کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

پرائمری سکولوں میں تعلیم مکمل کر کے یہی طلبہ سکنڈری سکولوں میں داخل ہوتے ہیں۔ گورنمنٹ کے سکنڈری سکولوں میں طلبہ کو یہ آزادی ہوتی ہے، کہ وہ اسلامی دینیات یا بائبل نالج میں سے کوئی ایک مضمون لے لیں۔ لیکن اسلامی دینیات کے ساتھ عربی لینا ضروری ہوتی ہے۔ جس کا معیار اتنا بلند ہوتا ہے، کہ جس طالب علم نے پہلے عربی نہیں پڑھی وہ محنت کر کے بھی یہ کورس نہیں چلا سکتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سارے مسلمان طلبہ "بائبل نالج" لے لیتے ہیں اور اس طرح دین کی تعلیم سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاتے ہیں۔ ٹیچرز ٹریننگ کالجوں میں بھی یہی ہوتا ہے، جو سکنڈری سکولوں میں ہوتا ہے۔ ان کالجوں سے تربیت حاصل کر کے یہ تمام اساتذہ عیسائیت کا پرچار پرائمری سکولوں میں کرتے ہیں ـــــ سکنڈری سکولوں اور ٹریننگ کالجوں میں بچوں کو

داخل کرنے کا اختیار بڑی حد تک پرنسپل کو ہے۔ اور کسی بھی سیکنڈری سکول یا ٹریننگ کالج کا پرنسپل مسلمان نہیں ہے۔ داخلے کے موقعے پر وہ ہر ممکن کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان بچوں کو داخل نہ کیا جائے۔ سکولوں میں تاریخ کی جو کتابیں نصاب میں شامل ہیں۔ وہ سب مخالفینِ اسلام کی لکھی ہوئی ہیں اور حقائق کو مسخ کر کے پیش کرتی ہیں، انہیں پڑھ کر بچے لازمی طور پر اسلام سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ پرائمری سکنڈری یا ٹیچرز ٹریننگ کالجوں کے مدارج سے گذرنے کے بعد اسی فیصد مسلمان لڑکے اور لڑکیاں عیسائی مذہب اختیار کر لیتے ہیں۔ اور جو بچ رہتے ہیں وہ اسلام کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔

سکولوں اور کالجوں کے علاوہ عیسائیت کو پھیلانے کا دوسرا ذریعہ ہسپتال ہیں۔ جہاں مریضوں کو مرض کی دوا کے ساتھ عیسائیت کی گولیاں بھی دی جاتی ہیں۔ ہر مریض کو صبح انجیل پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ اور پھر اسکی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔ اس طرح مریض جہاں جسمانی شفاء پاتا ہے، وہاں بیمار روح لے کر ہسپتال سے نکلتا ہے۔

ملک کے سارے اخبارات اور رسائل پر عیسائیوں کا قبضہ ہے اور کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جب ان اخبارات و رسائل میں اسلام کے خلاف زہر نہ اگلا جاتا ہو۔ مختلف زاویوں سے اسلام پر اعتراضات کیئے جاتے ہیں۔ اور کوشش کی جاتی ہے کہ مسلمانوں کو اسلام سے متنفر کر کے ان کو عیسائی بنایا جائے یا کم از کم ان میں احساسِ کمتری ضرور پیدا کر دیا جائے۔

سکولوں، کالجوں، ہسپتالوں، اخباروں اور رسالوں کی متفقہ جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ مسلمان بچے، بوڑھے، مرد، عورتیں تیزی سے عیسائیت کو قبول کرتے جا رہے ہیں۔ صرف شمالی نائیجیریا میں جہاں بیس سال پہلے ستّر فیصد مسلمان تھے، اب صرف ۵۵ فیصد رہ گئے ہیں۔ تبدیلیٔ مذہب کا یہ سلسلہ اگر اسی تیزی سے جاری رہا تو زیادہ سے زیادہ پچاس سال کے عرصے میں اس ملک سے مسلمانوں کا نام اسی طرح مٹ جائے گا، جس طرح ہسپانیہ سے مٹ گیا۔ ایک مشنری ادارے کی رپورٹ کے مطابق مسلمان بچوں کے عیسائی ہو جانے کی روزانہ اوسط گیارہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تبدیلیٔ مذہب کی رفتار اگر یہی رہے تو بھی ہر سال ۴۰۱۵ مسلمان بچے عیسائی ہو جائیں گے۔ لیکن زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ یہ روزانہ اوسط بڑھتی ہی جائے گی۔

بدقسمتی سے شمالی نائیجیریا کا اب کوئی خاندان ایسا نہیں رہ گیا ہے جس کے چند افراد عیسائی نہ ہو گئے ہوں۔ یہ لوگ آپس میں شادی بیاہ کرتے ہیں، لیکن ماں عیسائی ہو یا باپ، بچے ہمیشہ عیسائی ہی ہوتے ہیں۔ مسلمان لڑکیاں عیسائی لڑکوں سے شادی کرنا قابلِ فخر سمجھتی ہیں۔ مسلمان لڑکے چرچ جانا ترقی پسندی

کی علامت سمجھتے ہیں، غیر تعلیم یافتہ حضرات کو کون کہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان بھی اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے شرماتے ہیں۔ بے حسی اور بے غیرتی کا یہ عالم ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالوں اور اخباروں میں کھلم کھلا اعتراضات کئے جاتے ہیں، اور کوئی جواب دینے والا نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کے منہ پر رسولِ مقبولؐ اور صحابہؓ کے لئے بڑے بڑے توہین آمیز جملے استعمال کئے جاتے ہیں۔ لیکن مسلمان اُف تک نہیں کرتے۔ "اسلامک ہسٹری" کو درس سے نکال دی گئی۔ لیکن کسی نے اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی۔ ابھی چند دن ہوئے ایک بیلے ڈانسر آمنہ شیریں نے (جس کے بارے میں یہ مشہور کیا گیا کہ پاکستانی مسلمان ہے) اخباروں کو ایک بیان دیا اور کہا کہ اسلام نے سوٗر اور شراب کو ممنوع قرار نہیں دیا ہے۔ اور اس کے ساتھ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑایا۔ اخباروں نے اس کے بیان کو خوب اچھالا لیکن یہاں مسلمانوں کو ذرا بھی شرم نہ آئی ——— "نالج" (بچوں کا ایک ماہنامہ جو انگلینڈ سے نکلتا ہے) میں رسولِ اکرم کی تصویر چھپی اور ان کی زندگی کے حالات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا۔ یہاں کے مسلمانوں نے وہ مضمون پڑھا، اور ان کی رگِ حمیت جوش میں نہ آئی۔ پاکستانی مسلمانوں نے (جو نائیجیریا میں ہیں) چند مقتدر مسلمان حضرات کو خطوط لکھے اور اس مضمون کی طرف توجہ دلائی لیکن انہوں نے جواب دینے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ ■■

تبرکات و نوادر

از جان نثار کوچۂ اطہر نبوی حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی
بانی دار العلوم دیوبند

کشاں کشاں مجھے لے جا جہاں ہے تیرا مزار

قصیدہ اور صاحب قصیدہ کی شان میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ کی عبارات پیش کی جاتی ہیں:

یہ اشعار کسی الل ٹپ مارنے والے اطراء مادح کرنے والے فی کل واد یہیمون کے مصداق مبالغ اور مفرط خالی شاعر کے نہیں ہیں، بلکہ ایک خار سیع محقق، مجسمہ معرفت و حقیقت، امام اہل صدق و وفا غواص بحر طریقت، امام اہل کشف و شہود، عارف بے بدل اور فاضل بے مثل کے ہیں، جو کہ حقیقت اور واقعیت کے سوا کسی غلط مجاز اور مبالغہ کا روادار نہیں ہے۔ (نقش حیات صہ ۱۰۵/۲)

حجۃ الاسلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارکہ میں وہ بلند پایہ مضامین ارشاد فرماتے ہیں جن کے حریم معلیٰ تک جلیل القدر علمائے امت کا طائر فکر پرواز نہیں کر سکتا تھا۔ (صہ ۱۰۴)

یہ جملہ حضرات (اکابرین دیوبند) جس قدر ادب و تعظیم واجب بہ نسبت حضور علیہ السلام جانتے اور کرتے ہیں کوئی طائفہ روئے زمین پر آج اس درجہ پر نہیں۔ جناب مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (مدینہ طیبہ کے قریب) چند منزل برابر اونٹ پر سوار نہ ہوئے، حالانکہ اونٹ ان کی سواری کا موجود تھا۔ اور خالی رہا۔ پیر میں زخم پڑ گئے تھے۔ کانٹے لگتے تھے۔ پتھروں نے ٹھکرا ٹھکرا کر حال دگرگوں پاؤں کا کر دیا تھا، تمام عمر کیفیت کا جوتا اس وجہ سے کہ قبہ مبارک سبز رنگ کا ہے، نہ پہنا۔ اگر کوئی ہدیہ لے آیا تو کسی دوسرے کو دیدیا۔ ان کے احوال اگر اتباع سنت اور افعال غلبہ محبت نبوی کے ذکر کئے جاویں تو دفتر بھی کافی نہ ہو۔ ان اشعار سے عاقل اندازہ کر سکتا ہے، کہ کس قدر محبت و اخلاص و عقیدت بات بات سے ٹپکتی ہے گویا کہ محبت خاتم المرسلین علیہ السلام میں چور چور ہیں۔ اس قدر منہمک ہیں کہ ماسوا کی خبر نہیں رگ و پے میں ان کا اخلاص سرایت کئے ہوئے ہے۔ (الشہاب الثاقب صہ ۵۵، ۵۶)

فی الحقیقت یہ قصیدہ نہایت سچا اور پاکیزہ واقع ہوا ہے۔ کہ جس کو دیکھتے ہوئے حرز جان کرنے کو بے اختیار جی چاہتا ہے۔ (صہ ۵۲)

حضرت سرور کائنات علیہ السلام کے احسانات غیر متناہیہ کی تفصیل اگر معلوم کرنی منظور ہو تو رسالہ

آبِ حیات، حضرت نانوتویؒ کا تیز رسالہ قبلہ نما و اجوبۂ اربعین و تحذیر الناس وغیرہ دیکھئے پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ کس قدر خلوص و عقیدت و محبت ذاتِ پاک مصطفویؐ سے ان حضرات کو ہے۔ اور کیسے اعلیٰ درجہ کی عظمت و فخامت ان کے قلوب میں بھری ہوئی ہے۔ قصیدہ بہاریہ میں جو کہ نعت حضرت سرورِ کائنات علیہ السلام میں حضرت مولانا نانوتوی نے تحریر فرمایا ہے اور قصائدِ قاسمی میں شائع ہو چکا ہے، کس تعظیم اور خلوص کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ (الشہاب الثاقب ص۱۰۱ از شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ) — ذیل میں اس قصیدہ کے چیدہ چیدہ اشعار پیش ہیں: (ادارہ)

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید یہ ہے
کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور و مار

جو یہ نصیب نہ ہو اور کہاں نصیب میرے
کہ میں ہوں اور سگانِ حرم کی تیرے قطار

اڑا کے باد میری مشتِ خاک کو پسِ مرگ
کرے حضور کے روضہ کے آس پاس نثار

ولے یہ رتبہ کہاں مشتِ خاکِ قاسم کا
کہ جائے کوچۂ اطہر میں تیرے بن کے غبار

مگر نسیمِ مدینہ ہی گرد باد بنا
کشاں کشاں مجھے لے جا جہاں ہے تیرا مزار

غرض نہیں مجھے اس سے بھی رہے لیکن
خدا کی اور تیری الفت سے میرا سینہ فگار

لگے وہ تیرِ غمِ عشق کا میرے دل میں
ہزار پارہ ہو دل خونِ دل میں ہو خنجر شار

لگے وہ آتشِ عشق اپنی جان میں جس کی
جلا دے چرخِ ستمگر کو ایک ہی چھو نکار

صدائے طورِ قیامت ہو اپنا اک نالہ
بجائے برق ہو اپنی ہی آہ آتش بار

چبھے کچھ ایسی میرے نوکِ خارِ غم دل میں
کہ چھوٹے آنکھوں کے رستہ سے اک لہو کی فوار

یہ ناتواں ہوں غمِ عشق سے کہ جائے نکل
ذرا بھی جان کو اوپر کا سانس دے جو سہار

تمہارے عشق میں رو رو کے ہوں نحیف اتنا
کہ آنکھیں چشمہ آبی دروں غبار

یہ لاغری ہو کہ جانِ ضعیف کو مرِ نقل
نہ ہوئے ساتھ اٹھانا بدن کا کچھ دشوار

تو فخرِ کون و مکان زبدۂ زمین و زماں
امیرِ لشکرِ پیغمبراں شہِ ابرار

تو بوئے گل ہے اگر مثلِ گل ہیں اور نبی
تو نورِ دیدہ ہے گر ہیں وہ دیدۂ بیدار

بجز خدا کے بھلا تجھ کو کوئی کیا جانے
تو شمس نور ہے شپر نمط اولو الابصار

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

جلو میں تیرے سب آئے عدم سے تا بوجود
بجا ہے تم کو اگر کہئے مبداء الآثار

بجز خدائی نہیں چھوٹا تجھ سے کوئی کمال — بغیر بندگی کیا ہے لگے جو تجھ کو عار
جو انبیاء ہیں وہ آگے تیری نبوت کے — کریں ہیں امتی ہونے کا یا نبیؐ اقرار
لگاتا ہاتھ نہ پتلے کو بوالبشر کے خدا — اگر وجود نہ ہوتا تمہارا آخرکار
سمائے تیری خلوت میں کب نبی و ملک — خدا غیور تو اس کا حبیب اور اغیار
کہاں بلندی طور اور کہاں تیری معراج — کہیں ہوئے ہیں زمین اور آسمان ہموار
گرفت ہو تو تیرے ایک بندہ ہونے میں — جو ہو سکے تو خدائی کا اک تیرے انکار
خوشا نصیب یہ نسبت کہاں نصیب میری — تو جس قدر ہے بھلا میں برا اسی مقدار
نہ پہنچے گنتی میں ہرگز تیرے کماؤں کی — میرے بھی عیب شہ دوسرا شہ ابرار
پس کہ آپ شفیع گنہگاراں ہیں — کئے ہیں میں نے اکٹھے گناہوں کے انبار
کفیل جرم اگر آپ کی شفاعت ہو — تو قاسمی بھی طریقہ ہو صوفیوں میں شمار
گناہ کیا ہیں لگے کچھ گناہ کئے میں نے — تجھے شفیع کہے کون گر نہ ہوں بدکار
مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا — نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا
بنے گا کون ہمارا تیرے سوا غم خوار

معاصر فاران کراچی کا تبصرہ

ماہنامہ الحق کی دوسری جلد کا پانچواں شمارہ ہمارے سامنے ہے. جس میں دینی اور علمی مضامین کا بڑا تنوع پایا جاتا ہے! "نقشِ آغاز" سے لیکر "مکتوبِ بغداد" تک تمام مضامین دین و شریعت اور اخلاق و پاکیزگی کی ترجمانی اور عکاسی کرتے ہیں۔ (ایک مضمون کے بعض حصوں پر تنقید کرنے کے بعد) ماہنامہ الحق کوئی شک نہیں دین و شریعت کی قابلِ قدر خدمت انجام دے رہا ہے اور متجددین اور مغرب زدوں کے افکارِ باطل کی تردید اسکی خصوصیت رہی ہے، خاص طور سے حضرت مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ کے مضامین پڑھنے کے لائق ہوتے ہیں. اس مادیت زدہ دور میں جہاں سے بھی حق کی آواز بلند ہو رہی ہے وہ تائید و تعاون کی مستحق ہے. اللہ تعالیٰ دینی جرائد و رسائل کی عمر دراز فرمائے اور اسکی بھی توفیق کہ اسلام پسند اہلِ قلم اور اربابِ فکر اپنے فروعی اختلافات کے باوجود ایک محاذ پر جمع ہو جائیں۔ (فاران مارچ ۱۹۶۷)

مقالہ ۳ پر تنقید

از حضرت مولانا محمد یوسف صاحب ۔ ماموں کانجن
رکن اعزازی "الحق"

عمر احمد عثمانی کی تحریفات کا اجمالی جائزہ

طلاق کے احکام

نوٹ : مندرجہ ذیل اقتباسات "طلاق کے احکام" سے بلفظہٖ لئے گئے ہیں جو فکر و نظر جلد ۲ شمارہ نمبر ۲ تا ۷ ، میں شائع ہوا ______ مقالہ پر تنقید حاشیہ یا عنوانات کی صورت میں کی گئی ہے ۔ (ادارہ)

ماڈرن اسلام کی ماڈرن تفسیر الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسریح باحسان (الی قولہ تعالیٰ) فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ ۔ (ترجمہ کے بعد) ان آیات سے ظاہر ہے ۔ کہ قرآن کریم کی رو سے طلاق کا طریقہ یہ ہے کہ ہر طرح کی مصالحتی کوشش بروئے کار آنے کے بعد[1] جب یہ ثابت ہو جائے ، کہ میاں بیوی میں نباہ کی کوئی صورت نہیں نکل سکتی ، تو شوہر طلاق دیکر معاہدہ نکاح کو فسخ کرنے کا اعلان[2] کر سکتا ہے ۔ پہلی مرتبہ اس اعلان کے بعد شوہر کو پھر بھی یہ اختیار باقی رہتا ہے ، کہ اگر وہ چاہے تو عدت کے دوران طلاق سے رجوع کرے ، قریب تین ماہ[3] کا عرصہ کچھ کم نہیں ہوتا ۔ شوہر اس عرصہ میں اپنے فیصلہ پر

۱ـ لیکن موجودہ "فیملی لاز" کی شریعت میں ، قرآنی آیات کے علی الرغم ، تین طلاقیں دینے کے بعد "مصالحتی کوشش بروئے کار لانے" کا فتویٰ صادر فرمایا جاتا ہے ، کیا یہ قرآن کی صریح مخالفت تو نہیں ہے ؟

۲ـ اس اعلان (ایک طلاق رجعی) سے نکاح بالکلیہ منقطع ہو جاتا ہے ۔ ؟ یا بدستور باقی رہتا ہے ۔ ؟ اگر نکاح باقی ہے ، تو مزید طلاق کا حق کیوں نہیں ۔ ؟

۳ـ قرآن کریم ایسی عورتوں کیلئے جنہیں ایام آتے ہوں ، عدت طلاق تین حیض (یا تین طہر علیٰ اختلاف القولین) بتلاتا ہے ، لیکن عائلی شریعت " میں نوے ۹۰ دن کی عدت کا فتویٰ دیا گیا ہے ۔

نظر ثانی کرسکتا ہے، بیوی بھی شوہر کو منانے اور راضی کرلینے کی کوشش کرسکتی ہے، اگر اس عرصہ (عدت) میں شوہر نے طلاق سے رجوع کرلیا، فبہا، ورنہ عدت گذر جانے کے بعد رشتۂ نکاح بالکلیہ منقطع ہوگیا۔ تاہم اب بھی میاں بیوی کو اسکی اجازت ہے کہ اگر وہ چاہیں تو تجدید معاہدہ کے ساتھ از سر نو دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں، اگر شوہر نے عدت کے دوران رجوع کرلیا تھا، یا عدت گذر جانے کے بعد تجدید نکاح کرلی تھی، لیکن مزید تجربہ کے بعد پھر وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دونوں کا نباہ ممکن نہیں، اور وہ ایک دوسرے کے حقوق وواجبات کما حقہ ادا نہیں کرسکتے۔ اور شوہر دوسری مرتبہ پھر طلاق دے دیتا ہے تو اس دوسری مرتبہ کی طلاق کے بعد بھی اسکی گنجائش باقی رہتی ہے، کہ دونوں اب بھی اپنی اصلاح کرلیں، اور جو باتیں ایک دوسرے کیلئے وجۂ شکایت ہوں ان کا ازالہ کرلیں۔ لہٰذا اگر صورت حال سدھر جانے کی توقع ہو تو شوہر کو اس مرتبہ بھی یہ حق باقی رہتا ہے، کہ وہ عدت کے زمانہ میں طلاق سے رجوع کرے، اگر عدت گذر چکی ہے تو میاں بیوی پھر باہمی رضامندی سے تجدیدی معاہدہ کے ذریعہ از سر نو نکاح کرسکتے ہیں، اگر اس مرتبہ بھی تجربہ سے یہی ثابت ہوا کہ وہ دونوں واقعی نباہ نہیں کرسکتے اور شوہر تیسری مرتبہ پھر طلاق دیدیتا ہے، تو اب یہ عورت اس کے لئے قطعاً حرام ہوگئی، اب وہ نہ عدت کے دوران اس سے رجوع کرسکتا ہے۔ اور نہ عدت کے بعد تجدید نکاح کرسکتا ہے، اب یہ عورت کسی دوسرے مرد سے شادی کرے، لیکن اگر اس کا گذارا وہاں بھی نہ ہوسکے اور دوسرا شوہر بھی اسے طلاق دیدے یا وفات پاجائے تو اب یہ عورت اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کرسکتی ہے۔ کیونکہ اس قدر دھکے کھالینے کے بعد اب توقع کی جاسکتی ہے کہ شاید اسے عقل آگئی ہو، اور اب وہ اپنے شوہر کے ساتھ واقعی نباہ کرسکتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یقین ہے کہ شوہر کو بھی اپنی حماقتوں کا احساس ہوگیا ہوگا اور وہ بھی واقعۃً اس کے ساتھ نباہ کرلینے کے لئے تیار ہوگیا ہوگا۔" (فکر و نظر جلد ۷ ش ۲ ص ۹۹ - ۱۰۰)

۱؎ اس تفسیر کا حاصل صرف یہ ہے، کہ ایک طلاق کے بعد جب تک رجعت نہ کرلی جائے، (یا ختم عدت کے بعد تجدید نکاح نہ کرلی جائے) نہ تو مزید طلاق دینے کا حق ہے۔ اور نہ وہ نافذ ہوگی، لیکن یہ مقالہ نگار کی "ذہنی اپج" اور "خیالی مفروضہ" ہے، جو "عائلی شریعت" کی وجہ جواز پیدا کرنے کے لئے تراشا گیا ہے، ورنہ نہ تو سلف صالحین میں سے کسی معتبر قول پر یہ مبنی ہے۔ (جیسا کہ اگلے اقتباس سے واضح ہوگا) نہ قرآن کریم کے الفاظ سے اسکی تائید ہوتی ہے۔ شریعت اسلامیہ میں ایک نکاح کیلئے طلاق کا کامل نصاب تین طلاقیں اور اس کے برعکس عائلی شریعت "ایک نکاح میں ایک طلاق" کا فتویٰ دیتی ہے۔

طلاقِ سنت میں صحابہؓ اور فقہاء کے مذاہب کی تفصیل | اہلِ علم کا اس میں اختلاف ہے کہ ان عورتوں کیلئے جنہیں ایام آتے ہوں، طلاق سنت کیا ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمارے اصحاب (تمام علمائے احناف) نے کہا ہے کہ بہترین طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو اس وقت طلاق دے جب وہ ایام سے پاک ہو چکی ہو، اور وہ اس کے پاس نہ گیا ہو، پھر وہ اسے چھوڑ دے تاآنکہ اسکی عدت پوری ہو جائے، اور اگر وہ اسے تین طلاقیں دینا چاہتا ہو، تو ہر طہر کے وقت ایک طلاق دیدے، اس کے پاس جانے سے پہلے پہلے، ــــ سفیان ثوریؒ کا قول یہی ہے، اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ ہمیں ابراہیم نخعیؒ کے ذریعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کے متعلق یہ بات پہنچی ہے کہ وہ اسی کو پسند کرتے تھے کہ لوگ ایک سے زیادہ طلاقیں نہ دیں۔ حتیٰ کہ عورت کی عدت گذر جائے، اور یہ صورت ان کے نزدیک اس سے افضل ہے کہ آدمی ہر طہر کے وقت ایک ایک طلاق کرکے، اسے تین طلاقیں دیدے۔" (اگرچہ یہ دوسری صورت بھی ان کے نزدیک جائز تھی، اور وہ تین طہروں میں دی گئی۔ تین طلاق کو شرعاً صحیح اور نافذ سمجھتے تھے، اور یہی حنفیہؒ کا مذہب ہے۔ جیساکہ اوپر معلوم ہوا۔ ناقل) امام مالکؒ، عبدالعزیز بن سلمۃ الماجشونؒ، لیث بن سعدؒ، حسن بن صالحؒ اور امام اوزاعیؒ نے کہا ہے کہ طلاق سنت یہ ہے کہ عورت کو طہر میں مقاربت سے پہلے ایک طلاق دیدی جائے، یہ حضرات عدت کو تین طہروں میں تین طلاقیں دینے کو مکروہ (ناپسند) سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر آدمی اس سے رجوع کرنا نہیں چاہتا تو وہ ایک طلاق دے کر اسے چھوڑ دے تاآنکہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔ (تاہم یہ تین طلاقیں ان کے نزدیک نافذ اور شرعاً معتبر ہوں گی کمافی المؤطا۔ ناقل) ــــ امام شافعیؒ نے فرمایا ہے۔ جیساکہ مزنی نے ان سے روایت کی ہے۔ کہ شوہر کے لئے تین طلاقیں دینا حرام نہیں، اگر شوہر اپنی بیوی سے کہہ دے کہ تجھے سنت کے مطابق تین طلاقیں ہیں۔ اور عورت پاک ہو چکی ہو اور شوہر اس کے پاس بھی نہ گیا ہو تو تینوں طلاقیں ایک ساتھ پڑ جائینگی[1]۔ بحوالہ امام ابوبکر جصاصؒ احکام القرآن ج ۱ ص ۴۴۶" (فکر و نظر جلد ۲ ش ۲ ص ۱۰۴)

---

[1] ان تمام مذاہب کا خلاصہ یہ ہوا۔ کہ اگر تین طلاقیں، تین طہروں میں متفرق کرکے واقع کی جائیں تو بالاجماع نافذ ہو جائینگی، اور بیوی مغلظہ ہو جائے گی۔ البتہ احناف کے نزدیک یہ صورت غیر احسن ہے، تمام صحابہؓ کے نزدیک غیر افضل ہے اور امام مالکؒ وغیرہ کے نزدیک کراہت اور ناپسندیدگی کا پہلو رکھتی ہے۔ لیکن نہ تو ایک سے زائد طلاق کا، ایک نکاح اور متفرق طہروں میں، کسی نے کبھی حق سلب کیا ہے، نہ اسے غیر نافذ، غیر معتبر، لغو، اور لایعنی قرار دیا ہے ــــ۔۔۔

٭ ٭ ٭

تمام امت کا یہ فتویٰ کہ تین طہروں میں تین طلاقیں واقع کرنا صحیح اور نافذ ہے" تلاعب بالقرآن ہے۔

اگر ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے، تو اس شخص کا جرم جو اپنی بیوی کو تین طہروں میں تین طلاقیں دے کر اسے اپنے اوپر حرام کرلیتا ہے، اس شخص کے مقابلہ میں زیادہ شدید ہے۔ جو بیک وقت تین طلاقیں دے کر اسے اپنے اوپر حرام کرلیتا ہے، کیونکہ یہ دوسرا شخص محض خدا کے ایک حکم کی نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔ مگر پہلا شخص قرآن کے الفاظ سے کھیلتا ہے اور قرآن کے منشار کے خلاف عمل کرتے ہوئے خود قرآن ہی کے الفاظ کی آڑ لیتا ہے" (فکرونظر جلد ۲ ش ۳ - ص ۱۹۵)

تین طہر میں تین طلاق کے قائلین قرآنی منشاء سے منحرف، یہودی ذہنیت کے مالک اور قرآنی روح کے پامال کنندہ ہیں، خطرہ ہے کہ کہیں انہیں بندر نہ بنا دیا جائے۔

لیکن کچھ لوگ[1] ایسے پیدا ہوئے جو قرآن کے اس منشار پر تو عمل کرنا نہیں چاہتے، "حکم کی روح کو کچل کر حکم کے الفاظ کی آڑ لینا چاہتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ قرآن نے ہی فرمایا ہے تاکہ تین طلاقیں تین مرتبہ کرکے مختلف اوقات میں دی جائیں، لہذا ہم بھی یہ تین طلاقیں تین طہروں میں کرکے دے دیتے ہیں، تاکہ قرآن کے الفاظ کی گرفت سے بھی بچ جائیں، اور بیوی کو اپنے اوپر یوں حرام بھی کرلیں، یہ وہی "یہودی ذہنیت" ہے، جو وحی الٰہی کے منشار کے خلاف "وحی کے الفاظ سے کھیلنے" کی عادی رہ چکی ہے۔ (یہاں اصحاب السبت کا واقعہ مذکور ہے) بعینہٖ یہ حال ان لوگوں کا ہے کہ وہ بھی یہودیوں کی طرح "قرآن کی روح کو پامال کرکے "قرآن کریم کے الفاظ سے کھیلنا" چاہتے ہیں۔ مگر ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی صورتیں مسخ کرکے ان کو "ذلیل بندر" بنا دیا تھا ——

—— (فکرونظر جلد ۲ ش ۳ ص ۱۹۵ - ۱۹۶)

ایک عجیب وغریب نکتہ "یقیناً —— اور —— ہونگے"

"ان میں "یقیناً"[2] ایسے لوگ بھی ہوں گے" جو سیدھی سادھی طرح خدا کی نافرمانی کرکے سبت کے دن بھی مچھلیوں کا شکار کھیل لیتے ہونگے"۔

---

[1] کچھ لوگ نہیں بلکہ خود "مقالہ نگار" کی نقل کے موافق تمام صحابہ، تابعین، اور ائمہ مجتہدین، بلکہ "عائلی شریعت" کے نافذ ہونے سے قبل کی تمام امت، اگر "فاضل وفقیہ" مقالہ نگار کے نزدیک ان بدترین جرائم کے مرتکب صرف "کچھ لوگ" ہیں تو وہ ان "بہت سے لوگوں" کا نام بتلائیں۔ جن کے نزدیک تین طہروں کی تین طلاقیں شرعاً غیر معتبر ہیں۔ اور وہ ان تینوں کو صرف ایک رجعی طلاق" قرار دیتے ہیں۔

[2] اصحاب سبت کا واقعہ قرآن کریم میں بھی مذکور ہے۔ لیکن یہ "یقیناً ہونگے" کی منطق کہاں مذکور ہے، کیا یہ مقالہ نگار کا "اجتہاد فی التاریخ" تو نہیں۔

مگر خدا نے ان کو یہ سخت سزا نہیں دی تھی۔ (فکر و نظر جلد ۲ شمارہ ۳ ص ۱۶۶-۱۶۷)

ان تمام حضرات کا یہ فتویٰ الفاظِ قرآن کے خلاف ہے

"یہ طریقہ طلاق جسے بدقسمتی سے طلاق مسنون کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ کے خلاف ہے" (حوالہ بالا ص ۱۷۵)

بلکہ عقل و بصیرت کے بھی

"صرف اتنا ہی نہیں کہ مروجہ مسلک" (جسکی تائید صحابہ کرامؓ کے اجماعی فتویٰ سے حاصل ہے۔ ناقل) قرآن کریم کے خلاف ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو عقل و بصیرت کے خلاف بھی معلوم ہوتا ہے" (حوالہ بالا ص ۱۷۶)

دورِ فاروقی کا حسین مرقع محمد حسین ہیکل کی زبانی

اغلب گمان[1] یہ ہے کہ جو لوگ حضرت عمرؓ کے عہد میں اپنی بیویوں کو طلاقیں دیتے تھے، وہ طلاق دینے کے بعد بیویوں کے ساتھ مہربانی کا کوئی سلوک نہیں کرتے تھے۔ بات یہ تھی کہ عراق و شام سے گرفتار ہو کر بیشمار عورتیں آگئی تھیں، مدینہ منورہ بلکہ تمام جزیرۂ عرب کے لوگ ان کے حسن و جمال کے گرویدہ ہو رہے تھے، لہٰذا لوگ اپنی بیویوں کو دھڑا دھڑ طلاقیں دینے لگے تھے، تاکہ ان حسین و جمیل لڑکیوں کی رضامندی حاصل کر سکیں جو ان کے "دلوں پر قبضہ" جما چکی تھیں، یہ لوگ تین طلاقیں ایک ہی لفظ سے دیتے تھے، تاکہ وہ "نازآفرین حسینائیں" بھی مطمئن ہو جائیں کہ اب وہ شوہروں کے "دلوں پر تنہا حکمرانی" کر سکیں گی۔ (اور انہیں رجوع[2] کرنے کا حق بھی نہ رہے گا۔) ——— فکر و نظر جلد ۲ ش ۳، ص ۱۷۱

خلیفۂ راشد نے "عربی عصبیت" کی خاطر قرآن کا حکم بدل دیا۔؟

حضرت عمرؓ اپنی قوم کے مزاج سے خوب واقف تھے، وہ جانتے تھے کہ اگرچہ وقتی جوش کے ماتحت عرب نوجوان، عجمی عورتوں کے حسن و جمال کے گرویدہ ہو رہے ہیں، لیکن ان کی "عربی عصبیت" کا تقاضا یہی ہے، کہ وہ بالکلیہ عرب عورتوں کو نظرانداز نہیں کر سکتے، ایک ابھرتی ہوئی قوم کے لئے اپنی "قومی عصبیت" کا تحفظ بھی انتہائی ضروری ہوتا

---

[1] یاد رہے کہ محمد حسین ہیکل اور محمد امین مصری، مصر کے فضل الرحمان اور پرویز ہیں، محمد حسین صاحب نے "اغلب گمان یہ ہے" کیسا تھ یہ ساری افسانہ طرازی کی ہے، جس کا وجود ان کے "اغلب گمان" سے خارج میں نہیں پایا جاتا۔ اور یہ خالص "مغاربہ" اور ان کے "ہمرنگ مشارقہ" کا اندازِ "ناول نویسی" ہے، بدقسمتی ہے کہ یہ لوگ خلفاء راشدینؓ، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بھی "ناول اور افسانہ" کے رنگ میں لکھنے پڑھنے کے خوگر ہیں، ان کی تحقیقات کا بیشتر حصہ محض فرضی ہوتا ہے ———

[2] یہ بین القوسین کا اضافہ "فاضل و فقیہ مقالہ نگار" کی جانب سے ہے، ورنہ ہیکل کو بھی یہ نہیں سوجھی۔

ہے۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے اس عربی عصبیت کو برقرار رکھنے کیلئے اس سے (تین طلاقوں کے نافذ کرنے سے
یہ فائدہ اٹھایا" (فکر و نظر جلد ۲ ش ۷، ص ۴۲۲ - ۴۲۳)

یہ فیصلہ قرآنی حکم کی روح کو پامال کرنے اور اس کے استخفاف واستہزاء پر مشتمل ہے

اس مضمون کی پچھلی قسط میں ہم لکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم کی رو سے طلاقیں صرف تین مرتبہ الگ الگ وقفہ کے ساتھ ہو سکتی ہیں، اور ایک عدت کے شروع میں ایک طلاق ہی ہو سکتی ہے، پہلی دو مرتبہ کی طلاقوں میں مرد کو رجوع کر لینے کا حق ہوتا ہے، اور تیسری مرتبہ کی طلاق میں رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا، قرآن کریم کی رو سے کئی کئی طلاقیں (دو یا تین) ایک وقت میں نہیں دی جا سکتیں۔ اور نہ مختصر وقفوں کے ساتھ ہی۔ ایک ایک طہر میں ایک ایک طلاق کر کے۔ دی جا سکتی ہیں۔ یہ صورت قرآنی حکم کی روح کو پامال کرنے اور اس کے استخفاف واستہزاء پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بیک وقت کئی کئی طلاقیں دے دینے سے بھی بری ہے۔ (ایضاً ص ۴۲۴ - ۴۲۵)

صحابہ، تابعین، اور ائمہ فقہاء کا فیصلہ محرف حکم کی اتباع میں تھا

صحابہ، تابعین، اور ائمہ فقہا کی اکثریت کا فیصلہ دراصل حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کے ماتحت تھا، لہذا اگر وہ وجوہ موجود نہیں ہیں۔ جو حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کے باعث بنی تھیں تو کوئی وجہ نہیں ہے، کہ قرآن کریم، سنت رسول اور قیاس، اور مصالح عامہ کو مسلسل نظرانداز کیا جاتا رہے، اور جو فیصلہ (قرآن کریم، سنت رسول، قیاس اور مصالح عامہ ان سب کے علی الرغم۔ ناقل) وقتی ضروریات اور ہنگامی مصالح (یعنی قومی عصبیت کی حفاظت۔ ناقل) کے ماتحت کسی ایک وقت میں ضرورۃً کر لیا گیا تھا۔ (اور اس پر بقول خود ان کے اجماع منعقد ہو گیا تھا۔ ناقل) اسے دوامی حیثیت دے دی جائے۔ (ایضاً ص ۴۲۶)

<u>نتیجہ! نتیجہ!! نتیجہ!!!</u> "لہذا چونکہ وہ ضرورتیں اور مصلحتیں، جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں پیدا ہو گئی تھیں (جن کی وجہ سے ان کے بقول قرآن کے اصل حکم کو بدل کر روح حکم کے استخفاف واستہزاء اور اسکی پامالی کا ارتکاب کیا گیا تھا۔ ناقل) اب باقی نہیں رہیں، اس لئے ہمیں اصل حکم کیطرف لوٹنا چاہئے، جو شریعت اسلامی نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے۔" (اور ہمیں فرضی ضرورتوں کیلئے، معاذ اللہ، حضرت عمرؓ صحابہ، تابعین اور ائمہ فقہاء کیطرح شریعت اسلامی کے "اصل حکم" کو بدل کر ان قبیح جرائم کے ارتکاب کی مزید غلطی نہیں کرنی چاہئے، اور جو مطلقہ عورتیں حضرت عمر، صحابہ، تابعین اور ائمہ فقہا کے فیصلہ کے مطابق اپنے شوہروں کیلئے قطعی حرام ہو گئی ہوں، انہیں مطلقہ رجعیہ قرار دیکر تین طلاق دینے والے شوہروں کے پاس ٹھہرنے پر قانوناً مجبور کرنا چاہئے۔ اسطرح "عائلی شریعت" کی روح بھی خوش ہو جائیگی، اور زناکاری کیلئے شرعی جواز بھی پیدا ہو جائیگا، اور خاندانی منصوبہ بندی کی بدولت "بن باپ کے بچوں" کی تعداد میں اگر کچھ کسر رہ جائیگی تو اس شرعی جواز سے پیدا شدہ فرضی باپ کے بچوں سے وہ بھی پوری ہو جائیگی۔ ناقل) وما علینا الا البلاغ (جلد ۲ ش ۷، ص ۴۲۶)

---

۱ کون نہیں جانتا کہ اسلام قومی عصبیت کے بت توڑنے کیلئے آیا تھا، لیکن مقالہ نگار کے تفقہ کی داد دیجئے، کہ انہوں نے ہیکل صاحب کی "افسانہ نگاری" سے خلیفہ راشدؓ کے خلاف (معاذ اللہ) "قومی عصبیت کی برقراری کیلئے تحریف حکم قرآن" کی دستاویز بھی مرتب کر لی۔ اور اسی محرف حکم پر صحابہ وتابعین کے جمع ہو جانے کو بھی جائز قرار دے لیا ——

مولانا سعید احمد اکبر آبادی - برہان
مولانا محمد یوسف بنوری - بینات

بھارتی مسلمانوں کا پرسنل لاء ——— اب رہا تعدد ازدواج کا معاملہ ! تو یہ اس سے بالکل مختلف ہے۔ اگرچہ فقہی طور پر اس پر بھی اطلاق لفظِ مباح کا ہوتا ہے۔ لیکن یہ مباح کی دوسری قسم میں شامل ہے اور اس کی اباحت ایک اہم دینی مقصد کی تکمیل کا ذریعہ بنتی ہے۔ فرض کیجئے ایک شخص ہے جسکی بیوی بانجھ ہے۔ اور اس کو اولاد کی تمنا ہے جو ہر شخص کو طبعی طور پر ہوتی ہے۔ یا وہ بیمار ہے اور اسکی بیماری لاعلاج ہے یا اس کے اور بیوی کے مزاج میں اتحاد اور موافقت نہیں ہے جس کے باعث اسکی زندگی اجیرن بنی ہوئی ہے اور وہ درد و کرب کی زندگی گزار رہا ہے ——— اب سوچئے ! ان حالات میں یہ بدنصیب شوہر کیا کرے ؟ اگر اس بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرے تو اس بات کو اس کی انسانیت شرافت اور غیرت گوارا نہیں کر سکتی۔ کہ جو عورت اتنے زمانہ تک اسکی رفیقۂ زندگی بنی رہی ہے، اس کو یوں ایک ایسے امر کے باعث جس میں اس عورت کو کوئی دخل نہیں خانہ بدر کر کے روٹیوں کا محتاج بنا دے۔ اس بنا پر اب اس شخص کے سامنے صرف دو ہی صورتیں ہیں : یا انسانیت اور شرافت کو بالائے طاق رکھ کر اس بیوی کو طلاق دے اور کوئی دوسری شادی کرے اور یا بہر صورت اسی ایک بیوی پر قانع رہ کر عمر بھر اسی آگ میں جلتا رہے۔ اسلام میں تعدد ازدواج کی اباحت کا قانون اس شخص کی مدد کرتا ہے اور ایک ایسی درمیانی صورت پیدا کر دیتا ہے کہ پہلی بیوی بے سہارا اور بے یار و مددگار نہیں ہوتی اور خود اسکی اپنی زندگی بھی اجیرن نہیں ہوتی ! اور حقیقت یہ ہے کہ اس شخص کی مصیبت اور مشکل کا حل اس سے بہتر کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اب اگر کوئی قانون اس شخص کو عقد ثانی سے روکتا ہے تو اس کے معنی بالواسطہ یہ ہیں کہ یا یہ شخص برہمچاری ہو کر رہے جو ایک تندرست انسان کے لئے قطعاً غیر طبعی فعل ہے۔ اور یا شہد کی مکھی بن کر زندگی کے دن گزارے، کہ ہر روز ایک نیا آستان، نیا سنگِ در اور نئی جبینِ نیاز !!! ——— کوئی شبہ نہیں اسلام کا یہ قانون خاص خاص حالات میں پاکبازی اور صحتِ دل و دماغ اور آسودگیٔ نظر کا کفیل و ضامن ہے۔ اب اگر کوئی حکومت خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم ایسا قانون بناتی ہے، جسکے ماتحت مسلمان اس اباحت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تو اس کا حاصل بجز اس کے کچھ نہ ہوگا کہ مسلمان ان سہولتوں سے محروم ہو جائیں گے جو ایک امرِ طبعی کی حالت میں اطمینان و سکون اور پاکبازی کی زندگی بسر کرنے کے لئے ان کے دین نے فراہم کی ہیں۔ اور یہی حقیقت ہے مداخلت فی الدین کی، تعدد ازدواج کی اجازت قرآن میں مطلق نہیں بلکہ مشروط ہے۔ اس بنا پر ایک اسٹیٹ کو اس بات کی نگرانی کرنے کا تو حق ہے کہ وہ شرط پوری

ہو رہی ہے یا نہیں۔؟ لیکن تعدد ازدواج کو بالکل ممنوع قرار نہیں دیا جا سکتا ـــــ (برہان دھلی۔ فروری ۱۹۶۷ء)

مصطفیٰ کمال ہمارا آئیڈیل۔؟ ـــــ اس امر کا مزید افسوس ہے، کہ بعض ارباب قلم اور معاصرین حضرات موجودہ مکدر صورت حال کو ہوا دے کر مزید فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔ اور حکومت کو اکسا رہے ہیں، کہ ان "مولویوں" کے ساتھ محض اس جرم میں کہ انہوں نے روزۂ رمضان کے بارے میں شریعت اسلام کے صاف اور واضح حکم کے پیش نظر احتیاط کا پہلو کیوں اختیار کیا، وہی طرز عمل اختیار کیا جائے جو کمال اتاترک نے ترکی میں اختیار کیا تھا۔ اور بعض موقر مجلات نے تو کافی عرصے سے ایک اہم مقصد کے طور پر علماء اور مدارس و مساجد کے خلاف یہ مہم چلا رکھی ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ یہ حضرات ہماری حکومت کے لئے اتاترک جیسے غلط اندیش، جابر حکمران کی مثال پیش نہ کرتے ـــــ

کون نہیں جانتا کہ کمال اتاترک نے خلافت اسلامیہ کا انکار کرایا، اور یورپ کو خوش کرنے کیلئے اس نے یہ غلط قدم اٹھایا۔؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے سلطنت عثمانیہ کو اسلامی حکومت کی بجائے سیکولر اسٹیٹ، بنا کر چھوڑا؟ کون نہیں جانتا کہ اس نے اسلامی قوانین اور احکام شرعیہ کو معطل کرایا اور ان کی جگہ لادینی قانون نافذ کرایا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے عربی زبان، قرآن کریم اور عربی کتابوں کی کتابت و اشاعت کو قانوناً جرم قرار دیا؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے عربی رسم الخط کو ختم کرایا، اور ترکی زبان کو لاطینی حروف میں جاری کرا کر اسلامی، ملی اور قومی تہذیب و ثقافت سے غداری کی۔؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے اسلامی ناموں تک کو جبراً تبدیل کرایا۔؟ کون نہیں جانتا کہ کمال کے لئے عربی زبان میں اذان و اقامت کے پاکیزہ الفاظ بھی ناقابل تحمل تھے، اس نے اذان و اقامت کو بھی ترکی زبان میں کرایا۔؟ کون نہیں جانتا کہ کمال کی غلط بین نظر اسلام کے پردۂ عصمت کو بھی برداشت نہ کر سکی۔ اور اس نے عورتوں کے چہروں کو قانوناً بے نقاب کرایا۔ اور لباس مغرب کی پابندی کا قانون بنایا۔؟ کون نہیں جانتا کہ کمال نے نکاح اور طلاق اور میراث وغیرہ کے اسلامی احکام کو معطل کرایا؟ وغیرہ وغیرہ ـــــ

اندکے پیش تو گفتم حال دل ترسیدم   کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

کمال اتاترک کا نام بار بار مثال میں پیش کرنے والے بتلائیں کہ یہ تمام قوانین اللہ و رسول کے تھے یا مولویوں کے گھر کے تھے۔؟ اگر قصور علماء کا تھا، وہ ناکردہ گناہ کے مجرم، قتل و اعدام کے لائق اور جلاوطنی کے مستحق تھے تو خدا اور رسول نے کیا جرم کیا تھا، قانون الٰہی کو کیوں جلاوطن کیا گیا۔؟ قرآن و سنت کو کیوں تہ تیغ کیا گیا۔؟ احکام الٰہیہ کو کیوں پامال کیا گیا۔؟ سنت خیر البشر کو کیوں ذلیل کیا گیا؟ علماء بے چارے تو دین الٰہی کے پاسبان اور سنت نبویؐ کے خادم تھے۔؟ اگر انہوں نے دین الٰہی کی پاسبانی کے جرم میں جام شہادت

نوش کیا تو رہے سعادت ! ان کی شہادت پر "اقتدار پرستوں" کی ہزاروں زندگیاں قربان !

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

کیا افسوس اور تعجب کا مقام نہیں کہ جو کارنامے علماء کے مفاخر میں شمار ہوں ان ہی کو قابلِ نفرت قرار دیا جائے۔؟ کیا یہی عقل و دین کا تقاضا ہے۔؟ کیا یہی عدل و انصاف ہے۔؟ مظلوم علماء اور ظالم حکمرانوں کی داستان کو بار بار دہرانے کا کہیں یہ مطلب تو نہیں کہ در پردہ اربابِ اقتدار کو یہ شہ دی جا رہی ہے کہ اس بدترین سیاہ تاریخ کو پھر سے دہرایا جائے اور ہماری حکومت بھی علماء کے ساتھ وہی "حسن سلوک" کرے جو کمال اتاترک جیسے نادان حکمران کے دورِ اقتدار میں ترکی میں ہوا تھا۔؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کیا کسی دانشمند کے نزدیک کمال جیسے کج فہم انتہا پسند کا کوئی کارنامہ کسی اسلامی یا غیر اسلامی حکومت کے لئے قابلِ تقلید ہو سکتا ہے۔؟

—— بہر حال حق حق ہے اور باطل باطل، ظلم و عدوان اور جور و ستم سے حق باطل نہیں بن جاتا، اور نہ باطل کو حقانیت کی سند مل جاتی ہے۔ بالآخر اتاترک کا عبرت ناک حشر بھی اسی دنیا کے رہنے والوں نے دیکھا۔ عصمت انونو پاشا ، عدنان مندریس ، اور جلال بایار نے تدریجاً وہی قوانین دوبارہ رائج کئے گئے —— ع

حذر! اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اگر "فکر و نظر" یہ نظرِ رحمت فرمائے تو "الرحیم" کی نگاہِ مرحمت سے تو نہایت بعید ہے۔ آخر سارا قصور علماء ہی کا ہے۔؟ اربابِ اقتدار کے غلط رویہ پر یا سوئے تدبیر پر کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لانا، یہ تو انصاف نہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ اہلِ حق کو قرآن حکیم کے حکیمانہ اصول کے تحت دعوتِ حق دینا چاہئے۔ نیز جس حقیقت کا اظہار ہو وہ خلوص، نیک نیتی، اور اصلاح کی غرض سے ہو، پھر اگر دنیا میں اس دعوت کو شرفِ قبول حاصل نہ بھی ہو تو آخرت کا سامان تو ہو ہی جائے گا۔ اور اگر دنیا میں اس پر صلہ ملنے کی بجائے الٹی سزا ملے تو اجرِ عظیم کا باعث ہوگا۔ لیکن اگر شرطِ اخلاص معدوم ہو تو خسر الدنیا والآخرۃ ذالک ھو الخسران المبین کا مصداق ہے، معاذ اللہ ——

بہر حال علمائے حق کا منصب ابلاغِ حق ہے، اثر ہو یا نہ ہو ؎

حافظ! وظیفۂ تو دعا گفتن است و بس
در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید

(بینات ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ)

علماء اُمت پر

قادیانیوں کا افتراء اور اُسکا جواب

مولانا جلال الدین ڈیروی ۔ بھیرہ ۔ فاضل دار العلوم حقانیہ

ربوہ کی جماعت احمدیہ افتراء اور کذب بیانی سے باز نہیں آرہی اور ہمیشہ کے لئے اُن کی عادت بن گئی ہے کہ تین چار صفحات کے اشتہارات اور پمفلٹ لکھ کر لوگوں کو مرتد بنانے کی کوشش میں لگے رہیں، ابھی حال ہی میں ایک اشتہار (ختم نبوت اور جماعت احمدیہ) کے نام سے ان لوگوں نے لکھا ہے۔ اور اس میں علماء امت کی چند برگزیدہ ہستیوں خصوصاً شیخ الاکبر العارف باللہ حضرت شاہ محی الدین ابن عربیؒ، مولانا جلال الدین رومیؒ، فخر المحدثین حضرت ملا علی قاریؒ، حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ، حضرت حجۃ الاسلام امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ وغیرہ حضرات کے متعلق لکھا ہے کہ یہ حضرات خاتم النبیین کا وہی معنی کرتے ہیں جو جماعت احمدیہ کرتی ہے۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ اور ان حضرات پہ بہتان عظیم ہے —— بندہ مندرجہ بالا حضرات کی چند عبارات اُن کی مستند تصانیف کے حوالوں سے آپ کے سامنے پیش کرتا ہے جس سے مرزائیوں کی کذب بیانی بالکل واضح ہو جاوے گی۔

۱۔ شیخ اکبر ابن العربیؒ کا عقیدہ ختم نبوت

شیخ اکبر اپنی شہرۂ آفاق کتاب فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں:

فما بقی للاولیاء بعد ارتفاع النبوۃ الا التعریفات و انسدت ابواب الاوامر الالٰہیۃ والنواھی فمن ادعاھا بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم فھو مدع شریعۃ اوحی بھا الیہ سواء وافق بھا شرعنا او خالف۔ (فتوحات مکیہ جلد ۳ ص ۵۱)

ترجمہ:۔ پس نبوت کے ختم ہو جانے کے بعد اولیاء کیلئے صرف حکمت و معرفت ربانی کی چیزیں باقی رہ گئی ہیں۔ اور اوامر و نواہی کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ پس اگر کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ دعویٰ کرے

کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کوئی حکم دیا ہے۔ یا کسی بات سے منع کیا ہے تو وہ مدعی شریعت ہے۔ خواہ اسکی وحی شریعت محمدیہ کے موافق ہو اور خواہ مخالف۔

امام شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں شیخ اکبرؒ کی مذکورہ بالا عبارت نقل کرتے ہوئے اس کے ساتھ یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے، فلو کان مکلفاً ضربنا عنقہ والا ضربنا عنہ صفحاً۔ (الیواقیت والجواہر ص۳۸ ج۲)
یعنی اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے خواہ موافق شریعت محمدیہ ہو یا مخالف شریعت محمدیہ ہو اگر بالغ عاقل ہوگا تو ہم اس کو سزائے قتل دیں گے۔ اور اگر عاقل بالغ نہیں تو چھوڑ دیں گے۔

اتنی واضح تصریح کے بعد بھی اگر کوئی ظالم اور بدبخت یہ کہے کہ شیخ اکبرؒ کے نزدیک وہ نبی پیدا ہو سکتا ہے جو موافق شریعت محمدیہ ہو تو یہ بددیانتہ تحریف فی الدین نہیں تو اور کیا ہے۔؟

پھر شیخ اکبرؒ نے فتوحات ص۳۵۳ میں مندرجہ ذیل عبارت لکھی ہے:

اعلم انہ لم یجئ لنا خبر الٰہی ان بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی تشریع ابداً انما لنا وحی الالہام قال اللہ تعالیٰ ولقد اوحی الیک والذین من قبلک۔ ولم یذکر ان بعدہ وحیاً ابداً وقد جاء فی الخبر الصحیح فی عیسیٰ علیہ السلام وکان ممن اوحی الیہ قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ اذا انزل آخر الزمان لا یؤمنا الا بنا ای بشریعتنا وسنتنا۔ (الیواقیت جلد ۲ ص۸۷)

ترجمہ:- تم جان لو کہ ہمیں خدا تعالیٰ نے کوئی خبر نہیں دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ایسی وحی ہوگی جو تشریعی ہو اور جسے شریعت وحی تسلیم کرے۔ بلکہ سوائے اس کے نہیں کہ ہمارے لئے وحی الالہام ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی بھیجی اور آپ سے پہلے لوگوں کی طرف اور یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کبھی آپ کے بعد بھی وحی ہوگی۔ ہاں یہ ضرور حدیث صحیح میں ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ہوگی اور ان کی طرف وحی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہو چکی ہے۔ وہ جب آخری زمانے میں نازل ہوں گے تو ہماری شریعت اور ہمارے طریقہ کے مطابق ہی ہماری قیادت کریں گے۔

——— اس عبارت سے یہ حاصل ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ختم ہونے کو دو چیزیں لازم ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ کے بعد کسی طرف نئے سرے سے وحی نہیں ہوگی۔ اور دوسرے یہ کہ جن پر وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آچکی ہے۔ ان میں سے اگر کوئی دوبارہ آئے جیسے عیسیٰ علیہ السلام، تو وہ شریعت محمدیہ کے تابع ہوں گے ——— ان عبارات سے معلوم ہوا کہ شیخ اکبرؒ کا عقیدہ وہ ہے جو جمہور علماء امت رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا ہے ———

۲- مولانا جلال الدین رومیؒ کا عقیدہ

یا رسول اللہ رسالت را اتمام تو نمودی ہمچوں شمس بے غمام (مثنوی دفتر پنجم ص۲۹ لکھنؤ)

ترجمہ:- اے اللہ کے رسولؐ آپ نے رسالت کو اس طرح کمال و اتمام کا شرف بخشا، جیسے بادل کے بغیر سورج چمک رہا ہے۔

حضرت مولانا رومؒ کا عقیدہ ختم نبوت کتنا بہترین ہے کہ جب سورج بادل کے بغیر پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہو تو اسے کسی ماتحت چراغ کی ضرورت نہیں۔ بیشک اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ضیار باریاں بھی کسی ماتحت روشنی کی ضرورت مند نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر اعتبار سے رسالت کو کمال بخشا ——

معلوم ہوا کہ حضرت مولانا رومؒ کا عقیدہ وہی ہے۔ جو جمہور علماء امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کا ہے ——

۳- ملا علی قاریؒ کا عقیدہ

واقول التحدی فرع دعوی النبوۃ بعد نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کفر بالاجماع۔ (ملحقات شرح اکبر ص۲۵)

ترجمہ:- میں کہتا ہوں کہ خرق عادات امور میں دوسرے پر غلبہ کا دعویٰ نبوت کے دعویٰ کی ایک شاخ ہے۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ اجماع کے ساتھ کفر ہے۔

اب ظاہر ہے کہ خرق عادات امور میں دوسروں پر غلبے کا دعویٰ جس طرح تشریعی نبوت میں ہوتا ہے غیر تشریعی نبوت میں ہوتا ہے۔ اور اس دعویٰ نبوت کو ملا علی قاریؒ کفر قرار دے رہے ہیں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ ملا علی قاریؒ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر دعویٰ نبوت خواہ تشریعی[1] یا غیر تشریعی کفر ہی کفر ہے ——

ایسی واضح تصریح کے باوجود بھی کسی کذاب اور بدبخت کا یہ افترار کہ ملا علی قاریؒ غیر تشریعی نبوت کو جائز سمجھتے ہیں کس قدر جھوٹ اور بہتان عظیم ہے۔

۴- امام شعرانیؒ کا عقیدہ

من قال ان اللہ تعالیٰ امرہ بشیٔ فلیس ذالک بصحیح انما ذالک تلبیس لان الامر

[1] مرزا قادیانی کے کلام میں کئی جگہ تشریعی نبوت کے دعوے بھی صاف پائے جاتے ہیں۔ حاشیہ اربعین میں صاف کہا ہے۔ چونکہ میری تعلیم میں امر بھی ہے اور نہی بھی ہے۔ اور شریعت کے ضروری احکام کی تجدید ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے میری اور وحی فلک یعنی کشتی کے نام سے موسوم کیا۔

من قسم الکلام وصفتہ وذالک باب مسدود فی الناس۔ (الیواقیت جلد ۲ صـ ۳۸)

ترجمہ:۔ جو شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کسی بات کا حکم دیا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ شیطانی فریب ہے کیونکہ حکم کلام کی ایک قسم ہے۔ اور اس کی صفت ہے اور یہ دروازہ لوگوں کے لئے بند ہو چکا ہے۔
امام شعرانیؒ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے شاگرد ہیں۔ تو ان کا عقیدہ اپنے استاد اور شیخ اور جمہور علماء امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ والا عقیدہ ہے۔ یہ صرف قادیانیوں اور ربوہ والوں کا فریب اور کذب بیانی ہے ——

۵۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا عقیدہ

واعلم ان الدجاجلۃ دون الدجال الاکبر کثیرۃ ویجمعہم امر واحد وھو انہم یذکرون اسم اللہ ویدعون انہم یدعون الناس فمنہم من یدعی النبوۃ
(تفہیمات الٰہیہ جلد ۲ صـ ۱۹۸)

ترجمہ:۔ اور جان لو کہ دجال اکبر کے سوا اور بھی بہت سے دجال ہیں جو کہ سب میں ایک امر مشترک ہے وہ یہ کہ خدا کا نام لیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مخلوق کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ پس ان ہی دجالوں میں سے وہ بھی ہیں، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کریں ——

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں :

حضرت پیغامبر ما افضل الخاتمین والفاتحین وخاتم النبوۃ وفاتح الولایۃ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا شدند وآنحضرت یکے از اشراط قیامت اند وآنحضرت با قیامت مثل سبابہ و وسطی باہم پیوستہ اند بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر فاتح وخاتم کہ ہست در باب ولایت است۔ (تفہیمات الٰہیہ جلد ۱ صـ ۷۶)

ترجمہ:۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخاتمین کہ نبوت ختم کرنے والے ہیں۔ اور افضل الفاتحین کہ ولایت کا دروازہ کھولتے ہیں، پیدا ہوئے۔ آپ علامات قیامت میں سے ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے ساتھ پہلی دو انگلیوں کی طرح متصل ہیں۔ یعنی آپ کے بعد کسی اور نبی کا ورود نہیں۔ بلکہ دور قیامت ہے آپ کے بعد جو فاتح اور خاتم ہوگا۔ ولایت کے باب میں ہوگا۔ یعنی باب نبوت مطلقاً بند ہے۔ خواہ شریعت سابقہ کے ساتھ ہو اور خواہ شریعت جدیدہ کے ساتھ۔

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا عقیدہ

خاتمیت زمانی اپنا دین وایمان ہے ناحق تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں۔ (جوابات محذورات صـ ۳۹)

(باقی صـ ۲۲ پر)

وفاق المدارس | ۱۹، ۲۰ ذی قعدہ کو حضرت شیخ الحدیث صاحب نائب صدر وفاق المدارس اور حضرت العلامہ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ کراچی صدر وفاق المدارس نے پشاور کے دارالعلوم سرحد اور جامعہ اشرفیہ، چارسدہ کے مدرسہ اسلامیہ اور اتمانزئی کے دارالعلوم نعمانیہ کا معائنہ کیا اور وفاق کے سلسلہ میں منتظمین مدارس سے اہم بات چیت کی ارباب مدارس نے نہایت گرمجوشی سے وفاق کے پروگراموں سے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔

واردین | ۲۴ ذی قعدہ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ تلمیذ خاص حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ دارالعلوم حقانیہ تشریف لائے۔ دارالعلوم کے وسیع وعریض دارالحدیث میں تمام طلباء واساتذہ موجود تھے۔ حضرت مولانا مدظلہ نے علم کی فضیلت، اہل علم کی ذمہ داریوں، وقت کے تقاضوں اور حالات کی رفتار پر پرسوز انداز میں روشنی ڈالی (یہ تقریر انشاء اللہ آئندہ کسی پرچہ میں شائع کی جائے گی)۔ ۲۰ ذی الحجہ کو حضرت مولانا عبید اللہ انور صاحب مدظلہ امیر انجمن خدام الدین لاہور جانشین حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری علیہ الرحمۃ دارالعلوم تشریف لائے، طلباء کو اپنے پندو موعظت سے نوازا — ہر دو حضرات دارالعلوم کے مختلف شعبوں اور کارکردگی کو دیکھ کر بے حد محظوظ ہوئے۔

بیرون ملک احباب کیلئے ایک وضاحتی اعلان

جیسا کہ پچھلے شماروں میں بھی وضاحتی اعلان میں بتایا گیا ہے۔ کہ دارالعلوم حقانیہ کے چندہ کیلئے کسی صاحب کو بیرون ممالک انگلینڈ وغیرہ میں نہیں بھیجا گیا — بعض احباب نے اپنے خطوط میں لکھا ہے کہ ہم نے دارالعلوم حقانیہ کے سفیر کو چندہ دیا۔ اور حال ہی میں ہمارے ایک مخلص جناب علی شیر صاحب نے ۱۶۹ جارج آرتھر روڈ برمنگھم ۸ برطانیہ سے ہمیں لکھا ہے کہ دو سال قبل دارالعلوم حقانیہ کے لئے پریس خریدنے کے نام پر یہاں پاکستانیوں سے چندہ جمع کیا گیا تھا۔ اور ہم نے پریس کے لئے کافی چندہ جمع کر دیا — ایسے تمام حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ اب تک دارالعلوم حقانیہ کی طرف سے ایسے کسی صاحب کو باہر نہیں بھیجا گیا۔ جو لوگ دارالعلوم سے تعاون کرنا چاہتے ہیں، وہ براہ راست دارالعلوم حقانیہ کو اپنی امداد بھیج سکتے ہیں۔ (سلطان محمود ناظم دفتر اہتمام)